روایات سیرت ﷺ کا تنقیدی جائزہ

علامہ محمد ناصر الدین البانی

ترجمہ و تلخیص

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

رواياتِ سيرت کا تنقيدی جائزہ

علامہ محمد ناصر الدين البانی

ترجمہ و تلخيص
ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

نام کتاب: روایاتِ سیرت کا تنقیدی جائزہ

مصنف: علامہ محمد ناصر الدین البانی

ترجمہ و تلخیص: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

سن اشاعت: ۲۰۱۵ء

طبع: شفیق پریس

ناشر: دار النوادر

فہرست

نمبر شمار	موضوعات	صفحہ

عرض مترجم

محدث شام علامہ محمد ناصر الدین البانیؒ (۱۹۱۴-۱۹۹۹ء) کا ایک عظیم الشان کام خدمتِ حدیث کے میدان میں یہ ہے کہ انہوں نے احادیث اور روایات کی تخریج و تحقیق کی اور صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع روایات کو چھان پھٹک کر الگ الگ کر دیا۔ انہوں نے جہاں بہت سی قدیم کتبِ حدیث کی تحقیق کی وہیں اسلامی موضوعات پر بعض جدید کتب میں وارد احادیث و روایات کی تخریج بھی فرمائی۔ ایسی ہی ایک کتاب فقہ السیرۃ ہے جس کے مصنف عصرِ حاضر میں عالمِ اسلام کے ایک معروف مفکر اور دانش ور شیخ محمد غزالیؒ (۱۹۱۷-۱۹۹۶ء) ہیں۔ فقہ السیرۃ کو علمی و دینی حلقوں میں قبولِ عام حاصل ہوا اور مختصر عرصے میں اس کے بہت سے ایڈیشن منظرِ عام پر آئے۔ علامہ محمد ناصر الدین البانیؒ نے اس کتاب کی احادیث کے مراجعہ و تخریج اور اسانید و متون کے نقد و تمحیص کی خدمت انجام دی ہے۔ یہ تخریج کتاب کے ساتویں ایڈیشن (۱۹۷۶ء) از دار الکتب الحدیثہ مصر کے حواشی میں میری نظر سے گزری ہے۔ ممکن ہے کسی ماقبل ایڈیشن میں شائع ہوئی ہو۔

اسی موضوع پر اسی انداز سے ایک کتاب "فقه السيرة النبوية" ہے جو مشہور شامی عالم ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی حفظہ اللہ کی تصنیف ہے۔ علامہ البانیؒ نے اس میں وارد احادیث و روایات کا بھی تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر بوطی نے اپنی اس تالیف میں احادیث و روایات سے استفادہ کے معاملے میں ٹھوکریں کھائی ہیں، چناں چہ بعض صحیح احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور بہت سی ایسی روایات بیان کی ہیں جو ضعیف سندوں سے مروی ہیں۔ فقه السيرة النبوية کی احادیث و روایات کی تحقیق و تنقید کرتے وقت علامہ البانی کے پیش نظر اس کا دوسرا ایڈیشن تھا۔ مابعد ایڈیشن میں مصنف نے کتاب کی تہذیب و تنقیح کی اور جا بہ جا [illegible] ف و

اضافہ سے کام لیا تو ان اضافوں میں بھی علامہ البانیؒ کو بہت سی باتیں تصحیح طلب نظر آئیں۔ چنانچہ انہوں نے ”تـذئیل“ کے عنوان سے ان پر بھی استدراک لکھا۔ علامہ البانیؒ کا یہ رد پہلے مجلة التمدن الاسلامی دمشق میں جلد۴۲، شمارہ۴ سے جلد۴۴ شمارہ۲ تک مسلسل شائع ہوا۔ بعد میں دفاع عن الحدیث النبوی و السیرة فی الرد علی جهالات الدکتور البوطی فی کتابه فقه السیرة کے نام سے الگ سے کتابی صورت میں اس کی اشاعت ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق اور فضل سے راقم سطور کو ڈاکٹر بوطی کی کتاب فقه السیرة النبویة کا اردو ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ یہ ترجمہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے ”سیرتِ رسول۔ دروس اور نصائح“ کے نام سے اپریل ۲۰۰۵ء میں شائع ہو گیا ہے۔ رفیقِ مکرم مولانا ارشد سراج الدین مکی فاضل جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ نے توجہ دلائی کہ اس کتاب پر علامہ البانیؒ کے استدراکات کا بھی تلخیص کے ساتھ ترجمہ کر دیا جائے۔ میرا یہ ترجمہ و تلخیص صدیق محترم مولانا رفیق احمد سلفی کی دلچسپی سے ان کے مجلہ دو ماہی الصفا نئی دہلی، جلد۱، شمارہ ۴، ۵، ۶، جولائی، اگست۔ ستمبر۔ اکتوبر۔ نومبر۔ دسمبر ۲۰۰۴ء اور (اسی مجلہ کا نیا نام) ماہ نامہ نداء الصفا نئی دہلی، جلد۱، شمارہ ۱، ۲، جنوری، فروری ۲۰۰۵ء کی پانچ قسطوں میں شائع ہوا۔ مولانا سلفی کی خواہش اور تحریک پر بعد میں راقم سطور نے شیخ محمد الغزالیؒ کی فقه السیرة میں وارد احادیث کی تخریجاتِ البانی کا بھی تلخیص کے ساتھ ترجمہ کر دیا جو ماہ نامہ نداء الصفا کی آٹھ قسطوں (جون ۲۰۰۵ء و مابعد) میں شائع ہوا۔ ان دونوں ترجموں کو زیرِ نظر کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔

شیخ محمد الغزالیؒ نے اپنی کتاب میں احادیث و روایات کے حوالوں کا اہتمام نہیں کیا تھا۔ علامہ البانی نے تمام روایات کی تخریج کی ہے اور اصولِ حدیث کی روشنی میں انہیں صحیح، حسن یا ضعیف قرار دیا ہے۔ راقم سطور نے ان کی صرف ان تخریجات کا ترجمہ کیا ہے جن میں انہوں نے کسی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ واقعاتِ سیرت بیان کرنے میں روایات سے استفادہ کے سلسلے میں شیخ محمد الغزالی کا نقطۂ نظر علامہ البانی سے کچھ مختلف ہے۔ اس کا اظہار انہوں نے اپنی ایک تحریر میں کیا ہے جو ان کی کتاب فقه السیرة میں شامل ہے۔ اس کا ترجمہ بھی زیرِ نظر کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر بوطی کی فقہ السیرۃ النبویۃ میں وارد احادیث و روایات پر علامہ البانیؒ کے استدراکات کا لب و لہجہ سخت ہو گیا ہے۔کوئی صفحہ ایسا نہیں جس میں انہوں نے ڈاکٹر بوطی کو جاہل اور حدیث و اصولِ حدیث سے نابلد نہ قرار دیا ہو۔خود کتاب کے عنوان سے ان کے اسلوبِ تنقید کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔تاویل کی جائے تو اسے علامہ البانیؒ کے حدیث و سنت کے دفاع کے جذبے پر محمول کیا جا سکتا ہے، لیکن خواہش ہوتی ہے کہ کاش انہوں نے اس اسلوب سے احتراز کیا ہوتا اور اپنی دیگر تصانیف کی طرح اس میں بھی عالمانہ وقار اور متانت کو برقرار رکھا ہوتا۔راقم سطور نے ترجمہ کو صرف فنی تنقیدوں تک محدود رکھا ہے اور غیر متعلق جملوں کا ترجمہ نہیں کیا ہے۔

علامہ البانیؒ نے اپنی تنقیدات میں اصطلاحات حدیث کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔ ان کی تفہیم کے لیے شروع میں ''چند اہم اصطلاحاتِ حدیث'' کے زیر عنوان اصطلاحات کی تشریح کر دی گئی ہے۔یہ تشریحات کتاب ''معجم اصطلاحات حدیث'' تالیف ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن الاعظمی، ترجمہ و اضافہ: ڈاکٹر سہیل حسن بن عبد الغفار حسن، ناشر دار الکتب السلفیہ دہلی سے اختصار کے ساتھ ماخوذ ہیں۔اسی طرح علامہ البانیؒ نے روایات کے تنقیدی جائزے میں اپنی تائید میں بہت سے ائمہ جرح و تعدیل کے حوالے دیئے ہیں۔ان کا مختصر تذکرہ ''چند مشہور ناقدین حدیث'' کے زیر عنوان کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔

سیرتِ نبویؐ کے موضوع پر یوں تو ہزاروں کتابیں مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں اور ان کے مصنفین نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ کتابیں حدیث و سنت کے صحیح مآخذ اور سیرت کے صحیح واقعات کی روشنی میں تالیف کی گئی ہیں، لیکن عموماً ان کتابوں میں کچھ نہ کچھ ضعیف روایتیں ضرور در آئی ہیں۔زیر نظر کتاب کے ذریعے ان روایتوں کو پہچاننے میں مدد ملے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ علامہ البانیؒ کی خدماتِ حدیث اور شیخ محمد الغزالیؒ اور ڈاکٹر بوطی کی خدماتِ سیرت کو حسنِ قبول سے نوازے۔اس کتاب کا فائدہ عام کرے اور مترجم اور ناشر کو اس کے اجر سے نوازے۔انہ نعم المولٰی و نعم المجیب.

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ — محمد رضی الاسلام ندوی

۱۵؍جولائی ۲۰۰۵ء

مختصر احوالِ مصنّفین

ا۔ شیخ محمد الغزالیؒ

شیخ محمد الغزالی کی ولادت مصر میں بحیرہ کے ایک گاؤں ''نکلا العنت'' میں ہوئی۔ بعد میں ان کے والد نے نقل مکانی کر کے اسکندریہ میں سکونت اختیار کر لی۔ وہیں انہوں نے قرآن کریم حفظ کیا، پھر جامع ازہر میں تعلیم پائی جہاں سے ۱۹۴۱ء میں فراغت حاصل کی۔ جامع ازہر مصر، جامعۃ الملک عبدالعزیز ریاض، جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ نیز جامعہ قطر میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ جامعۃ الامیر عبدالقادر الاسلامیۃ الجزائر کے اکیڈمک ڈائریکٹر بھی رہے۔ مصر میں مساجد کونسل کے ڈائریکٹر، اسلامی دعوہ کے ڈائریکٹر جنرل اور وزارت اوقاف میں انڈر سکریٹری کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ شیخ غزالی امام حسن البنا شہیدؒ سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ الاخوان المسلمون کی تاسیس کے بعد اس میں شامل ہوئے اور اس کی ہیئت تاسیسی کے رکن بنے۔ اگرچہ دسمبر ۱۹۵۳ء میں بعض اسباب سے ایک ضابطہ کی کارروائی میں الاخوان المسلمون سے ان کا اخراج عمل میں آیا، لیکن اپنی زندگی کے آخری لمحے تک وہ اسی فکر کے حامل رہے اور علمی، دینی اور دعوتی میدان میں اہم خدمات انجام دیں۔ آپ نے تقریباً چالیس کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں تاملات فی الدین و الحیاۃ، دفاع عن العقیدۃ و الشریعۃ، قذائف الحق، رکائز الایمان بین العقل و القلب، مع اللہ...... دراسات فی الدعوۃ و الدعاۃ، الإسلام المفتری علیہ بین الشیوعین و الراسمالیین، التعصب و التسامع بین المسیحیۃ و الإسلام، کیف نفہم الإسلام، ھذا دیننا، حقوق الإنسان بین

تعالیم الإسلام و إعلان الأمم المتحدة، عقیدة المسلم، خلق المسلم، کیف نتعامل مع القرآن؟ اور فقة السیرة خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

۲۔ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی

ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی شام کے مشہور عالم دین اور شریعت فیکلٹی دمشق یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔آپ کی تصنیف ضوابط المصلحة فی الشریعة الإسلامیة کو علمی حلقوں میں قبول عام حاصل ہوا ہے۔اس کے علاوہ آپ کی تصانیف میں کبری الیقینیات الکونیة، تجربة التربیة الاسلامیة فی میزان البحث، منهج تربوی فرید فی القرآن اور الإسلام و مشکلات الشباب قابل ذکر ہیں۔آپ کی کتاب فقة السیرة النبویة کو علمی و دینی حلقوں میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی ہے اور مختصر عرصے میں اس کی دسیوں ایڈیشن نکلے ہیں۔

۳۔علامہ محمد ناصر الدین البانیؒ

علامہ ابوعبدالرحمٰن محمد ناصر الدین البانیؒ (۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء-۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ھ) کی ولادت البانیا کے ایک علمی گھرانے میں ہوئی۔بچپن ہی میں اپنے والد کے ساتھ دمشق آکر سکونت اختیار کی۔اپنے والد اور مشائخ دمشق سے مختلف علوم حاصل کیے۔دمشق کے دارالکتب الظاہریة سے خصوصی استفادہ کیا اور علم حدیث میں مہارت پائی۔دمشق کے مختلف علاقوں میں تقاریر، مواعظ اور دروس کا سلسلہ جاری رکھا۔جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تین سال (۱۳۸۱ھ-۱۳۸۳ھ) تدریسِ حدیث کی خدمت انجام دی کچھ عرصہ اردن، لبنان اور امارات وغیرہ میں گزارا۔۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء میں انہیں حدیثِ نبوی کی بے مثال خدمت پر عالمی شہرت کے باوقار ایوارڈ ''شاہ فیصل ایوارڈ'' سے نوازا گیا۔

علامہ البانیؒ نے احادیثِ نبوی کی تخریج و تحقیق کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔آپ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے مختصر نسخے تیار کیے۔اس کے علاوہ سننِ اربعہ (سنن أبی داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجه) امام بخاری کی الأدب

المفرد، سیوطی کی الجامع الصغیر اور منذری کی الترغیب و الترھیب کی صحیح اور ضعیف حدیثوں کو چھانٹ کر الگ الگ جلدوں میں شائع کیا۔ اسی طرح آپ کے تیار کردہ صحیح احادیث اور ضعیف احادیث کے مجموعوں سلسلة الاحادیث الصحیحة و شیئ من فقهها اور سلسلة الأحادیث الضعیفة و الموضوعة و أثرها السیئ علی الأمة کو علمی حلقوں میں غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔ علمِ حدیث کے میدان میں آپ کی تیس سالہ کاوشوں کا حاصل آپ کی کتاب معجم الحدیث النبوی ہے جو چالیس جلدوں (اور ایک بیان کے مطابق ۴۹ رجلدوں) پر مشتمل ہے۔ یہ اب تک طبع نہیں ہو سکی ہے۔

علامہ البانیؒ نے حدیث کی بہت سی قدیم کتابوں کی تحقیق و تخریج کی۔ مثلاً ابن قیم کی زاد المعاد، صنعانی کی سبل السلام شرح بلوغ المرام، نووی کی ریاض الصالحین، ابن تیمیہ کی الکلم الطیب اور تبریزی کی مشکاة المصابیح وغیرہ۔ اس کے علاوہ آپ نے بعض معاصرین کی تصنیفات میں وارد احادیث کی تخریج و تحقیق کی ہے اور ان میں پائی جانے والی ضعیف احادیث کی نشان دہی کی ہے۔ ان میں شیخ محمد رشید رضا کی حقوق المرأة فی الإسلام، سید سابق کی فقه السنة، مولانا مودودی کی پردہ (الحجاب) اور قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں (المصطلحات الأربعة فی القرآن) اور یوسف القرضاوی کی الحلال و الحرام فی الإسلام اور مشکلة الفقر و کیف عالجها الإسلام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

چند اہم اصطلاحاتِ حدیث

اختلاط/اختَلَطَ:

اختلاط سے مراد یہ ہے کہ راویٔ حدیث کی عقل میں کمزوری آجائے، حافظہ خراب ہوجائے اور وہ روایات کو صحیح طور پر سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ اس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

بڑھاپا، نابینا پن، کوئی حادثہ جیسے کتابوں کا جل جانا، بیٹے کی وفات، مالی نقصان وغیرہ۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اختلاط کے بعد کی روایات قبول نہیں کی جائیں گی اور جن روایات کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کس دور کی ہیں وہ بھی قبول نہیں کی جائیں گی۔

اختلاف:

اختلافِ حدیث سے مراد یہ ہے کہ کسی مقبول حدیث کے خلاف اسی جیسی کوئی اور حدیث وارد ہو (دونوں میں بظاہر تعارض ہو) اس کا حکم یہ ہے کہ اگر دونوں میں جمع کا امکان ہو تو اس کی کوشش کی جائے گی۔ جمع ممکن نہ ہو تو ناسخ پر عمل کیا جائے گا، منسوخ کو ترک کر دیا جائے گا۔ ناسخ و منسوخ کا علم نہ ہو تو کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائے گی۔ اگر ترجیح دینا بھی مشکل ہو تو دونوں پر عمل کرنے میں توقف کیا جائے گا۔

ارسال:

ملاحظہ کیجیے مُرسَل

اضطراب:

کوئی حدیث مختلف اسانید ومتون سے مروی ہو، مگر ان میں ایسا تعارض ہو کہ کسی طرح مطابقت نہ کی جا سکے، ساتھ ہی یہ تمام اسانید ومتون قوت ومرتبہ میں ایک دوسرے کے برابر ہوں اور کسی بھی اعتبار سے ان میں ترجیح ممکن نہ ہو، ایسے تعارض کو اضطراب کہتے ہیں۔ اضطراب سند میں بھی ہوتا ہے اور متن میں بھی، البتہ سند کا اضطراب نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ حدیث مضطرب کو ضعیف احادیث میں شمار کیا گیا ہے، سوائے چند حالتوں کے (اس کی تفصیل اصول حدیث کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔)

انقطاع:

ملاحظہ کیجیے منقطع۔

بلاغ / بلاغات / بلغنی:

اس سے مراد وہ حدیث ہے جسے راوی سند ذکر کیے بغیر (بلغه، بلغني یا بلغنا کے الفاظ سے) روایت کرے۔ اس قسم کی روایات منقطع اور معضل کے حکم میں آتی ہے۔

تحدیث:

حدیث کی روایت کرنا، یعنی حدیث حاصل کرنے کے بعد، ادائیگی کے صیغوں میں سے کسی صیغے کے ذریعے اسے سند کے ساتھ بیان کرنا۔

تخریج:

حدیث کے اصل مآخذ کا بیان مع اس کے مختلف طرق وروایات کے جن کا ذکر کرنا ضروری ہو، یعنی اس فن میں مآخذ کے ساتھ ساتھ یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ سند کا دارومدار کس

راوی پر ہے اور پھر رجال سند اور متن کی تحقیق اور اس روایت پر محدثین کا کیا حکم ہے۔

تدلیس: ملاحظہ کیجیے مدلّس۔

تعدیل: ملاحظہ کیجیے عدالتہ۔

تعلیق: ملاحظہ کیجیے معلّق۔

ثقہ:

ثقہ اس روای کو کہتے ہیں جس میں عدل وضبط کی صفات پائی جائیں۔ عدل سے متصف ہونے کے لیے پانچ امور کا ہونا ضروری ہے: (۱) اسلام (۲) بلوغت (۳) عقل (۴) تقویٰ (۵) شرافت واخلاق۔ اور ضبط سے مراد یہ ہے کہ راوی اپنی سنی ہوئی روایات کو اس طرح مکمل یاد رکھے کہ ان میں کوئی تردد نہ رہے اور وہ انہیں اچھی طرح سمجھتا ہو کہ ان میں کوئی التباس باقی نہ رہا ہو اور یہ دونوں امور سننے سے لے کر روایت کرنے تک برقرار رہیں۔

جرح:

راویانِ حدیث کے وہ عیوب بیان کرنا جن کی وجہ سے ان کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے اور ان کی روایت کردہ حدیث رد کر دی جاتی ہے۔

جہالت: ملاحظہ کیجیے مجہول

جیّد

یہ لفظ قابلِ قبول حدیث کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کی رائے میں صحیح اور

جید میں کوئی فرق نہیں ہے، جب کہ بعض دیگر محدثین کے نزدیک جید صحیح اور حسن لذاتہ کے درمیان ایک درجہ ہے، اس لحاظ سے یہ درجہ صحیح سے کم تر ہے۔

حسن:

حافظ ابن حجرؒ کی تعریف کے مطابق وہ حدیث جس کا راوی عادل ہو، سند متصل ہو، حدیث معلّل اور شاذ نہ ہو، البتہ راوی کا ضبط ضعیف ہو، حسن کہلاتی ہے۔

حسن حدیث صحت کے اعتبار سے صحیح سے کم تر ہونے کے باوجود حجت واستدلال میں صحیح ہی کے مانند ہوتی ہے۔

حسن صحیح:

اصطلاحی طور پر حسن حدیث کا درجہ صحیح حدیث سے کم تر ہے، لیکن امام ترمذیؒ نے بعض احادیث کے سلسلے میں دونوں اصطلاحوں کو جمع کر دیا ہے۔ اس کی متعدد توجیہیں کی گئی ہیں۔
حافظ ابن حجرؒ کی توجیہ یہ ہے:

(الف) اگر اس حدیث کی دو یا دو سے زائد سندیں ہوں تو ''حسن صحیح'' کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ حدیث ایک سند کے لحاظ سے حسن اور دوسری کے لحاظ سے صحیح ہے۔

(ب) اگر اس کی ایک ہی سند ہو تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک طبقہ کے یہاں یہ حدیث حسن اور دوسرے طبقہ کے یہاں صحیح ہے، یعنی محدث کی طرف سے اس حدیث کے بارے میں شک کا اظہار کیا گیا ہے کہ وہ حسن ہے یا صحیح۔

حسن غریب:

حسن غریب بھی امام ترمذیؒ کی مخصوص اصطلاح ہے۔ غریب اس روایت کو کہتے ہیں جو صرف ایک سند سے آئی ہو۔ کسی حدیث کو حسن غریب کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے رتبے کے لحاظ سے حسن ہے اور کسی خارجی تقویت کی محتاج نہیں ہے۔

رکن من ارکان الکذب:

یہ عبارت مراتب جرح میں مستعمل ہے۔ جس شخص کے بارے میں اس کا استعمال کیا جائے گا اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔

سند:

رجالِ حدیث اور راویوں کے تسلسل، یعنی متنِ حدیث تک پہنچنے کے ذریعے کو سند کہتے ہیں۔

شاذ:

کسی مقبول راوی کی ایسی روایت جو اس نے کسی اپنے سے افضل و برتر راوی کی مخالفت میں بیان کی ہو، شاذ کہلاتی ہے۔ (افضل و برتر راوی کی روایت کو محفوظ کہتے ہیں) شذوذ متن اور سند دونوں میں واقع ہوسکتا ہے۔

شاہد/شواہد:

کسی حدیث کی روایت کے بعد اگر کسی دوسرے صحابی سے ایسا متن مل جائے جو اس حدیث سے، الفاظ و معانی کے لحاظ سے یا صرف معانی کے اعتبار سے، مشابہ ہو تو اسے شاہد کہتے ہیں۔

صحیح:

وہ حدیث یا روایت جس کی سند اپنے قائل تک متصل ہو، اس کے تمام راوی عادل اور ضابط ہوں، وہ اپنے جیسے راویوں سے نقل کریں اور یہ کیفیت سند کے شروع سے آخر تک قائم رہے، نیز اس میں کوئی شذوذ (انفرادیت) یا کوئی مخفی علت نہ پائی جائے، اسے صحیح کہتے ہیں۔

صحیح الاسناد:

جب کسی حدیث کے بارے میں صحیح الاسناد کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ صحت کا حکم صرف اس کی سند کے بارے میں بیان کیا گیا ہے، یعنی اس حدیث کا متن کسی علت یا شذوذ کی وجہ سے غیر صحیح ہوسکتا ہے۔

صحیح (بخاریؒ کی شرط پر):

حدیثِ صحیح کے لیے امام بخاریؒ کی شرطیں یہ ہیں:

۱۔ حدیث کا راوی اپنے شیخ سے روایت کرنے والے راویوں میں سب سے اعلیٰ درجے پر فائز ہو۔

۲۔ حدیثِ معنعن میں راوی اور اس کے شیخ کے درمیان ملاقات ثابت ہو، صرف ہم عصر ہونا کافی نہیں ہے۔

صحیح (مسلمؒ کی شرط پر):

امام مسلمؒ نے احادیث کی تین قسمیں کیں ہیں:

۱۔ وہ احادیث جو ثقہ اور متقن حُفّاظِ حدیث نے روایت کی ہیں۔

۲۔ وہ احادیث جو حفظ اور اتقان میں متوسط درجہ کے راویوں نے بیان کی ہیں۔

۳۔ وہ احادیث جو ضعیف اور متروک راویوں نے بیان کی ہیں۔

وہ پہلے قسم اول کی احادیث بیان کرتے ہیں۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد (بظاہر متابعات وشواہد کی صورت میں) قسم دوم کی احادیث لاتے ہیں۔ تیسری قسم کی کوئی حدیث نہیں ذکر کرتے ہیں۔

ضعیف:

ضعیف وہ حدیث ہے جس میں صحیح اور حسن کی صفات موجود نہ ہوں۔

کسی حدیث کے ضعیف قرار پانے کے مختلف اسباب ہیں۔ یہ اسباب مجموعی طور پر ان دو امور میں واقع ہوتے ہیں:

(۱) راوی میں عیب (۲) سند میں سقوط

پہلے سبب سے ضعیف کی یہ اقسام وجود میں آتی ہیں:

موضوع متروک، منکر، معلل، مخالفۃ الثقات، مدرج، مزید فی متصل الاسانید، مضطرب، مصحف، شاذ اور ملقن وغیرہ

دوسرے سبب سے ضعیف کی یہ اقسام پائی جاتی ہیں:

معلق، مرسل، معضل، منقطع، مدلس، مرسل خفی، معنعن، موقوف اور مقطوع وغیرہ

ضعیف حدیث قابلِ عمل نہیں ہے اور کسی قسم کے احکام حتی کہ فضائل اعمال میں بھی ضعیف احادیث سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

طریق / طرق: سند کو کہتے ہیں۔

عدالۃ:

کسی راوی کے صفتِ عدالۃ سے متصف (عادل) ہونے کے لیے اس میں ان امور کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) اسلام (۲) بلوغت (۳) عقل (۴) تقویٰ (۵) شرافت واخلاق۔

راوی حدیث کے عادل ہونے کے بارے میں بتانا اور حکم لگانا کہ وہ عادل یا ضابط ہے، تعدیل کہلاتا ہے۔

علّت: ملاحظہ کیجیے معلول۔

عنعنہ: ملاحظہ کیجیے معنعن۔

غریب رغرابت:

وہ حدیث جسے روایت کرنے میں کوئی شخص منفرد ہو اور یہ کیفیت اس کی سند کے تمام طبقات میں یا بعض میں ہو، یا کسی ایک طبقے میں صرف ایک راوی رہ جائے۔

کذّاب:

مراتبِ جرح کے پہلے مرتبے (اہلِ کذب) کے بارے میں استعمال ہونے والا ایک لفظ ہے۔ ایسے راوی کی حدیث ہر حالت میں قابلِ رد ہے۔

لا أری باسنادہ بأساً رلیس بہ بأس:

مراتبِ تعدیل میں سے ایک مرتبہ ہے جو ثقہ سے کم تر ہے۔ اس راوی کی حدیث حسن کے درجے میں ہوگی۔

راشیٔ:

یہ الفاظِ جرح میں سے ہے۔ جس راوی کے بارے میں اس لفظ کا استعمال ہو اس کی احادیث کسی طور پر قابلِ قبول نہیں ہوتیں، نہ بطور احتجاج، نہ بطور استشہاد۔

لا یتابع فی حدیثہ:

یہ عبارت اس راوی کے لیے استعمال کی جاتی ہے جس کے ضعف کی وجہ سے اس کی احادیث اس قابل نہیں ہوتیں کہ ان کے لیے متابعات تلاش کی جائیں۔

لم أعرف رلم أقف علیہ:

یہ عبارت اس حدیث کے لیے استعمال کی جاتی ہے جس کی کوئی سند قابلِ قبول نہ ہو۔

لِیّن / لَیِّن:

الفاظِ جرح میں سے ایک لفظ ہے۔ جس راوی کے بارے میں اس کا استعمال ہوا سے لیّن کہتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ راوی نہ تو بالکل ساقط ہے اور نہ پوری طرح ثقہ ہے، بلکہ اس میں کچھ قابلِ اعتراض باتیں ہیں جن کی بنا پر وہ پوری طرح عادل نہیں کہا جا سکتا۔

متابع / متابعات:

ایک راوی دوسرے راوی کے ساتھ کسی حدیث کی روایت میں شریک ہو۔ اس عمل کو متابعت اور ایسی روایت کو متابع کہتے ہیں۔ اس کے جاننے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر راوی ضعیف ہے تو اس کی حدیث کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے اور اگر ثقہ ہے تو اس کا تفرد ختم ہو جاتا ہے۔

متروک:

جس حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس پر جھوٹ ہونے کی تہمت ہو، اسے متروک کہتے ہیں۔

متّصل: ملاحظہ کیجیے موصول۔

متّہم بالکذب:

اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے بارے میں ثابت ہو چکا ہو کہ وہ عام گفتگو میں جھوٹ بولتا ہے۔ ایسے شخص سے بعید نہیں کہ وہ حدیث میں بھی جھوٹی روایات شامل کر دے۔ ایسا شخص عادل نہیں رہتا، اس لیے اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی۔

متّہم بالوضع:

وہ شخص جس کے بارے میں ثابت ہو چکا ہو کہ وہ من گھڑت باتیں کہتا ہے۔ ایسے شخص کی روایات قابلِ قبول نہیں ہیں۔

مجہول رجہالت:

مجہول سے مراد وہ راوی ہے جس کے علمی حالات محدثین کے یہاں معروف نہ ہوں، یعنی اس کے علمی مشاغل خصوصاً حدیث کے ساتھ تعلق بالکل اندھیرے میں ہو۔ اس کے بارے میں ناواقفیت کو اصطلاحِ حدیث میں جہالت کہتے ہیں۔

مُدرَج:

وہ حدیث جس میں کوئی ایسا اضافہ کردیا گیا ہو جو اصل میں اس کا حصہ نہ ہو، مدرج کہلاتی ہے اور اس عمل کو ادراج کہتے ہیں۔ ادراج متنِ حدیث میں بھی ہو سکتا ہے اور سند میں بھی۔ احادیثِ رسول میں عمداً ادراج کرنا حرام ہے، تاہم تشریحی کلمات کی اجازت دی گئی ہے۔

مدلّس رتدلیس:

تدلیس عیب چھپانے کو کہتے ہیں۔ راوی اپنے کسی ہم عصر سے جس سے اسے سماع حاصل ہو، کوئی ایسی روایت بیان کرے جسے درحقیقت اس سے نہ سن سکا ہو، ایسی روایت کو مُدلَّس اور ایسے راوی کو مُدلِّس کہتے ہیں۔

مدلّس اگر کسی روایت کے سلسلے میں اپنے سماع کی تصریح کرے، یعنی اسے بیان کرتے ہوئے سَمِعْتُ (میں نے سنا) وغیرہ الفاظ استعمال کرے تو وہ روایت مقبول ہوگی، لیکن اگر سماع کی تصریح نہ کرے (مثلاً اسے لفظ عن سے روایت کرے) تو وہ روایت ناقابلِ قبول ہوگی۔

مُرسَل رارسال:

مرسل وہ حدیث ہے جس کی سند کے آخر سے تابعی کے بعد والا راوی ساقط ہو۔ مرسل روایت درحقیقت ضعیف احادیث کی ایک قسم ہے، کیوں کہ اس میں اتصالِ سند مفقود ہوتا ہے جو صحیح حدیث کی ایک لازمی شرط ہے۔ اسی طرح محذوف راوی کا کوئی تعین نہیں ہوتا، ممکن ہے و

کوئی غیر صحابی ہو۔ اس صورت میں اس کے ضعیف ہونے کا احتمال مزید بڑھ جاتا ہے۔
امام شافعیؒ کے نزدیک بعض شرائط کے ساتھ اور امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بغیر کسی شرط کے حدیثِ مرسل صحیح اور قابلِ حجت ہے، کیوں کہ بالعموم اس میں صحابی ہی ساقط ہوتا ہے اور صحابہ سب کے سب عادل شمار ہوتے ہیں، اگر ان کی معرفت متعین نہ ہو تو بھی کوئی حرج نہیں، لیکن جمہور محدثین مرسل روایت کو ضعیف شمار کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ساقط راوی نامعلوم ہے، ممکن ہے وہ صحابی کے علاوہ کوئی اور ہو۔

مرفوع:

وہ قول، فعل، تقریر یا صفت جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہو اور اسے کوئی صحابی بیان کرے، حدیث مرفوع کہلاتی ہے۔
(کسی بات یا کام پر آں حضرت ﷺ نے خوشی کا اظہار کیا ہو، یا خاموش رہے ہوں (ناپسندیدگی کا اظہار نہ کیا ہو) تو اسے تقریر کہتے ہیں۔)

مُسْنَد:

وہ حدیث جس کی سند مرفوع اور ظاہری طور پر متصل ہو، مسند کہلاتی ہے۔ (بعض اہل علم کے نزدیک صرف مرفوع ہونا کافی ہے۔)

مشہور العدالۃ: ملاحظہ کیجیے عدالۃ۔

مُعْضَل:

وہ حدیث جس کی سند میں سے دو یا دو سے زائد راوی یکے بعد دیگرے ایک ہی جگہ سے ساقط ہو جائیں، معضل کہلاتی ہے۔ یہ ضعیف حدیث کی ایک قسم ہے اور درجے کے لحاظ سے مرسل اور منقطع سے کم تر ہے، کیوں کہ اس میں کئی راوی ساقط ہوتے ہیں۔

مُعلّق :

وہ حدیث جس کے ایک یا ایک سے زائد راوی (چاہے وہ آخر سند تک ہی کیوں نہ ہوں) ابتدائے سند سے حذف کردیے گئے ہوں، معلّق کہلاتی ہے۔ مثلاً پوری سند حذف کردی جائے اور قال رسول اللہ ﷺ کہہ کر روایت بیان کردی جائے، یا صحابی اور تابعی کے علاوہ تمام سند حذف کردی جائے۔

معلّق کا عمومی حکم یہ ہے کہ اسے ضعیف کی اقسام میں شمار کیا جاتا ہے، لیکن اگر یہ معلق ایسے مصنف نے بیان کی ہے جو صحیح احادیث بیان کرتا ہو جیسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ، تو اگر اسے صیغۂ جزم یعنی یقینی الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہو (کسی وجہ سے مصنف نے اس کی سند حذف کردی ہو) تو وہ حدیث صحیح ہوگی، لیکن اگر اسے صیغۂ تمریض یعنی غیر یقینی الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہو تو اس کا حکم سند کے مطابق صحیح، حسن یا ضعیف کا ہوگا۔

معلَّل / معلول

اس سے مراد وہ حدیث ہے جس میں کوئی ایسی مخفی علت پائی جائے جو اس کے صحیح ہونے پر اثر انداز ہوتی ہے، جب کہ وہ ظاہری طور پر بے عیب معلوم ہوتی ہو۔ یہ علت سند میں بھی ہوسکتی ہے، متن میں بھی اور سند اور متن دونوں میں بھی۔

معنعن / عنعنہ :

جب کوئی راوی سندِ حدیث میں فلاں عن فلاں استعمال کرے تو اس کا یہ اسلوب عنعنہ اور روایت معنعن کہلاتی ہے۔

معنعن حدیث جمہور اہل علم کے نزدیک قابلِ قبول ہے، بشرطیکہ اس میں تین شرطیں موجود ہوں:

۱۔ راوی عادل ہو۔

۲۔ عنعنہ کرنے والا مدلس نہ ہو۔ اگر مدلس ہو تو ضروری ہے کہ سماع کی صراحت کرے۔

۳۔ ان راویوں کی آپس میں ملاقات ثابت ہو۔ ملاقات کے مسئلے میں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ امام مسلمؒ صرف ملاقات کے امکان کو کافی سمجھتے ہیں، جب کہ امام بخاریؒ کے نزدیک ملاقات کا ثبوت بھی ضروری ہے۔

مقبول:

وہ روایت، جس میں اگرچہ کچھ ضعف ہو، لیکن اس کی متابع روایات موجود ہوں، مقبول کہلاتی ہے۔ (البانی)

منقطع / انقطاع:

وہ حدیث جس کی سند میں کوئی راوی ساقط ہو یا اس میں مبہم راوی ہو، منقطع کہلاتی ہے۔ مثال کے طور پر کوئی تبع تابعی براہ راست صحابی سے روایت کرے، تابعی کو ساقط کر دے۔ ساقط راوی کی جہالت کی وجہ سے منقطع حدیث کو ضعیف قرار دیا جاتا ہے۔

سند میں سے راوی کے سقوط یا ابہام کو انقطاع کہتے ہیں۔

منکر / نکارت:

منکر کا اطلاق دو طرح کی حدیثوں پر ہوتا ہے:

۱۔ وہ حدیث جسے کوئی ضعیف راوی ثقہ راوی کے برعکس راویت کرے۔

۲۔ وہ حدیث جس کے کسی راوی میں فاش اغلاط یا انتہائی غفلت، یا فسق پایا جائے۔

موصول / متصل:

وہ حدیث جسے سند کے ہر راوی نے اپنے سے اوپر والے راوی سے براہ راست حاصل کیا ہو۔ (یہ کیفیت شروع سند سے آخر تک قائم رہے) موصول یا متصل کہلاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ متصل یا موصول وہ سند ہے جو ارسال یا انقطاع سے پاک ہو۔

موضوع / وضع:

کسی راوی کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولتا ہے اور من گھڑت باتیں آپ ﷺ کی طرف منسوب کرتا ہے تو اس کی روایت کو "موضوع" کہتے ہیں۔

بعض اہل علم نے "موضوعات" کو ضعیف احادیث میں شمار کرتے ہوئے انہیں سب سے زیادہ قبیح اور برا کہا ہے، جب کہ بعض دوسرے علماء انہیں ضعیف احادیث سے الگ قرار دیتے ہوئے رد کرتے ہیں۔

موقوف:

موقوف سے مراد وہ قول، فعل یا تقریر ہے جو صحابی کی طرف منسوب ہو۔

موقوف حدیث کا شمار ضعیف احادیث میں ہوتا ہے، لیکن اگر اس کی سند صحابی تک صحیح ہو اور کوئی مرفوع حدیث اس کے مخالف نہ ہو تو موقوف حدیث قابل حجت ہے۔

وہ بات جو صحابی اپنے اجتہاد سے نہیں کہہ سکتے اور نہ اس میں ان کی رائے کا دخل ہے اس کا حکم مرفوع کا ہوگا۔

نکارت: ملاحظہ کیجیے منکر۔

چند مشہور ناقدینِ حدیث

ابن ابی حاتم:

عبدالرحمٰن بن محمد ابی حاتم بن ادریس بن المنذر التمیمی الحنظلی الرازی، ابو محمد (۲۴۰-۳۲۷ھ) عظیم حفاظ حدیث میں شمار ہوتا ہے۔ حدیث کے موضوع پر ان کی تصانیف میں الجرح والتعدیل، علل الحدیث، المسند، الکنیٰ، الفوائد الکبریٰ اور المراسیل اہم ہیں۔

ابن ابی شیبہ:

عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی الکوفی، ابوبکر (۱۵۹-۲۳۵ھ) حافظِ حدیث ہیں۔ آپ کی متعدد تالیفات ہیں جن میں المسند، المصنّف فی الاحادیث والآثار، الایمان اور الزکوٰۃ مشہور ہیں۔

ابن الترکمانی:

علی بن عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ الماردینی، ابوالحسن (۶۸۳-۷۵۰ھ) مصر کے حنفی قاضی، حدیث ولغت کے ماہر، المنتخب، المؤتلف والمختلف، الضعفاء والمتروکین، الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی اور تخریج احادیث الہدایہ چند مشہور تصانیف ہیں۔

ابن الجوزی:

عبدالرحمٰن بن علی بن محمد القرشی البغدادی، ابوالفرج (۵۰۸-۵۹۷ھ) اپنے عہد میں تاریخ اور حدیث کے امام، مختلف علوم میں آپ کی تقریباً تین سو کتابیں ہیں جن میں تلبیس ابلیس،

کتاب الضعفاء والمتروکین، نزہۃ الاعین النواظر فی علم الوجوہ والنظائر، الموضوعات فی الاحادیث المرفوعات اور زاد المسیر فی علم التفسیر مشہور ہیں۔

ابن حبان:

محمد بن حبان البُستی، ابوحاتم (م ۳۵۴ھ) مورخ، جغرافیہ داں اور محدث کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ حدیث ورجال کے موضوع پر المسند الصحیح، معرفۃ المجروحین من المحدثین اور الثقات ان کی اہم تصانیف ہیں۔

ابن حجر عسقلانی:

احمد بن علی بن حجر العسقلانی (۷۷۳-۸۵۲ھ) مشہور حفاظِ حدیث میں سے ہیں۔ تاریخ اور فقہ شافعی میں بھی شہرت تھی۔ ایک سو پچاس سے زائد تصانیف ہیں، جن میں فتح الباری شرح صحیح البخاری، الإصابۃ فی تمیز الصحابۃ، لسان المیزان، تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب، التلخیص الحبیر فی تخریج اُحادیث الیافعی الکبیر اور بلوغ المرام من اُدلۃ الاحکام اہم ہیں۔

ابن سید الناس:

محمد بن محمد بن محمد بن احمد الیعمری الربعی، ابوالفتح (۶۷۱-۷۳۴ھ) مورخ، ادیب، شاعر اور حافظِ حدیث۔ سیرت نبویؐ پر ان کی تصانیف عیون الأثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر اور اس کی تلخیص نور العیون مشہور ہیں۔ النفح الشذی کے نام سے جامع ترمذی کی ایک نامکمل شرح بھی ہے۔

ابن عبدالبر:

یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر النمری القرطبی المالکی، ابوعمر (۳۶۸-۴۶۳ھ) حدیث، تاریخ، ادب، فقہ، تراجم، سیرت، علم قراءات اور انساب وغیرہ پر بہت سی تصانیف ہیں۔ ان میں الدرر فی اختصار المغازی والسیر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب اور جامع بیان العلم وفضلہ مشہور ہیں۔

ابن عدی:

عبداللہ بن عدی بن عبداللہ بن مبارک بن القطان الجرجانی، ابواحمد (۲۷۷-۳۶۵ھ) حدیث اور اسماء رجال میں ماہر تھے۔ اس فن میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں الکامل فی معرفۃ الضعفاء والمتروکین من الرواۃ اور علل الحدیث مشہور ہیں۔

ابن قیم:

محمد بن أبی بکر بن ایوب بن سعد الزرعی الدمشقی، ابوعبداللہ (۶۹۱-۷۵۱ھ) علامہ ابن تیمیہؒ کے مشہور شاگرد۔ مختلف اسلامی علوم میں آپ کی قابل قدر تصانیف ہیں جن میں إعلام الموقعین، أحکام أہل الذمۃ، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، مدارج السالکین، التبیان فی أقسام القرآن اور ہدایۃ الحیارٰی فی الرد علی الیہود والنصارٰی اہم ہیں۔

ابن کثیر:

اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی، ابوالفداء عماد الدین (۷۰۱-۷۷۴ھ) مشہور حافظِ حدیث، مورخ، فقیہ اور مفسر۔ البدایۃ والنہایۃ، تفسیر القرآن العظیم، جامع المسانید اور اختصار علوم الحدیث آپ کی اہم اور مشہور تصانیف ہیں۔

ابن المدینی:

علی بن عبداللہ بن جعفر السعدی المدینی البصری، ابوالحسن (۱۶۱-۲۳۴ھ) حفاظِ حدیث میں شمار ہوتا ہے۔ حدیث و اسماء الرجال میں ماہر تھے۔ الاسامی والکنٰی، الطبقات، التاریخ، اختلاف الحدیث، علل الحدیث ومعرفۃ الرجال اہم تصانیف ہیں۔

ابن معین:

یحیٰی بن معین بن عون بن زیاد المزی البغدادی، ابوزکریا (۱۵۸-۲۳۳ھ) حدیث و

اسماء الرجال کے ماہرین میں سے تھے۔ ذہبیؒ نے سید الحفاظ اور ابن حجر نے امام الجرح والتعدیل کا لقب دیا ہے۔ التاریخ والعلل، معرفۃ الرجال اور الکنی والاسماء اہم تصانیف ہیں۔

ابوداؤد

سلیمان بن اشعث السجستانی، ابوداؤد (۲۰۲-۲۷۵ھ) مشہور محدث۔ آپ کی مشہور کتاب سنن أبی داؤد کو صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ہے۔

احمد بن حنبل:

احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الوائلی، ابوعبداللہ (۱۶۴-۲۴۱ھ) فقہ حنبلی کے بانی، ائمہ اربعہ میں سے ہیں۔ بخاریؒ، مسلمؒ اور ابوداؤدؒ وغیرہ کے استاذ۔ المسند آپ کی مشہور کتاب ہے۔

احمد محمد شاکر:

احمد محمد شاکر (۱۳۰۹-۱۳۷۷ھ) مصری نژاد عالم، مسند احمد کی شرح اور تفسیر ابن کثیر کی تلخیص کی۔ متعدد مراجع اور امہات الکتب کی تحقیق کی۔

بخاری:

محمد بن اسماعیل البخاری، ابوعبداللہ (۱۹۴-۲۵۶ھ) مشہور محدث۔ آپ کی کتاب الجامع الصحیح کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔ امت کی اکثریت نے اسے "أصحّ کتاب بعد کتاب اللہ" (قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب) کہا ہے۔

البنّا:

احمد بن عبدالرحمٰن البنا الساعاتی (   ) مصر کی تحریک الاخوان المسلمون کے بانی حسن البنا شہید کے والد، الفتح الربانی فی ترتیب مسند الإمام احمد بن حنبل الشیبانی، اس کی شرح بلوغ الأمانی من اسرار الفتح الربانی، منحۃ المعبود فی ترتیب مسند أبی داؤد اور بدائع المسند فی جمع وترتیب

مسند الشافعی والسنن ان کی اہم تصانیف ہیں۔

بوصیری:

احمد بن أبی بکر بن اسماعیل بن سلیم بن قایماز بن عثمان البوصیری الکنانی الشافعی، ابوالعباس، شہاب الدین (۷۶۲-۸۴۰ھ) مصر کے حفاظ حدیث میں سے تھے۔ فوائد المنتقی لزوائد البیہقی، زوائد ابن ماجہ علی باقی الکتب الستہ مع الکلام علی اسانیدہا، اتحاف المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

بیہقی:

احمد بن الحسین البیہقی، ابوبکر (۳۸۴-۴۵۸ھ) حدیث کے امام۔ السنن الکبریٰ آپ کی مشہور کتاب ہے۔

ترمذی:

محمد بن عیسیٰ الترمذی، ابوعیسیٰ (۲۰۹-۲۷۹ھ) مشہور محدث۔ آپ کی کتاب جامع الترمذی کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔

جزری:

محمد بن ابراہیم بن ابی بکر بن ابراہیم بن عبدالعزیز الجزری الدمشقی، ابوعبداللہ، شمس الدین (۶۵۸-۷۳۹ھ) عظیم مورخ۔ کتاب التاریخ المسمی بحوادث الزمان و أنبائہ و وفیات الاکابر و الاعیان من أبنائہ ان کی مشہور تصنیف ہے۔ مزیؒ اور ذہبیؒ وغیرہ نے اس سے استفادہ کیا ہے۔

جوزجانی:

ابراہیم بن یعقوب بن اسحاق السعدی الجوزجانی، ابواسحاق (م۲۵۹ھ) شام کے مشہور حفاظِ حدیث اور ماہرینِ رجال میں شمار ہوتا ہے۔ الجرح والتعدیل اور الضعفاء ان کی اہم تصانیف ہیں۔

حاکم:

محمد بن عبداللہ بن حمدویہ بن نعیم النیساپوری، ابوعبداللہ (۳۲۱-۴۰۵ھ) حافظ حدیث، قاضی نیساپور، حدیث، اصول حدیث اور اسماء الرجال کے ماہر۔ المستدرک علی الصحیحین، المدخل اور معرفۃ اصول الحدیث آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

خطیب:

احمد بن علی بن ثابت البغدادی، ابوبکر، الخطیب (۳۹۲-۴۶۳ھ) مورخ، محدث، ادیب، شاعر۔ الکفایۃ فی علم الراویۃ، الفوائد المنتخبۃ، الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، تقیید العلم، شرف أصحاب الحدیث آپ کی چند اہم تصانیف ہیں۔

دارقطنی:

علی بن عمر بن احمد بن مہدی الشافعی، ابوالحسن (۳۰۶-۳۸۵ھ) اپنے عہد میں حدیث کے امام۔ حدیث اور اسماء الرجال میں متعدد تصانیف ہیں جن میں السنن مشہور ہے۔

ذہبی:

محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز الذہبی، ابوعبداللہ، شمس الدین (۶۷۳-۷۴۸ھ) مشہور حفاظ حدیث اور مورخین میں شمار ہوتا ہے۔ سو کے قریب تصانیف ہیں۔ ان میں العبر فی خبر من غبر، دول الاسلام، تاریخ الاسلام، سیر أعلام النبلاء، تذکرۃ الحفاظ، تذہیب تہذیب الکمال، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، تجرید اسماء الصحابۃ، الرواۃ الثقات، المرتجل فی الکنیٰ اور تلخیص مستدرک حاکم اہم ہیں۔

زرقانی:

محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد بن علوان المصری الازہری المالکی، ابوعبداللہ

(۱۰۵۵-۱۱۲۲ھ) مصر میں اپنے عہد کے عظیم محدث۔ حدیث اور اصول حدیث میں متعدد تصانیف ہیں، جن میں تلخیص المقاصد الحسنہ للسخاوی، شرح المواہب اللدنیہ للقسطلانی اور شرح موطا امام مالک مشہور ہیں۔

سخاوی:

محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد السخاوی، شمس الدین (۸۳۱-۹۰۲ھ) تفسیر، حدیث، تاریخ اور ادب کے ماہر۔ تقریباً دو سو کتابیں تصنیف کیں۔ حدیث میں المقاصد الحسنۃ اور الجواہر المکلّلۃ فی الاخبار المسلسلۃ، اصول حدیث میں شرح الفیہ العراقی اور تاریخ میں الضوء اللامع فی أعیان القرن التاسع مشہور ہیں۔

سیوطی:

عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین الخضیری، جلال الدین (۸۴۹-۹۱۱ھ) مفسر، محدث، مورخ، ادیب۔ مختلف علوم میں تقریباً چھ سو کتابیں تالیف کیں جن میں الاتقان فی علوم القرآن، تفسیر الجلالین، الأشباه والنظائر، الدر المنثور فی التفسیر الماثور، اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ اور تنویر الحوالک فی شرح موطا الامام مالک مشہور ہیں۔

شافعی:

محمد بن ادریس الہاشمی الشافعی، ابوعبداللہ (۱۵۰-۲۰۴ھ) فقہ شافعی کے بانی، ائمہ اربعہ میں سے تھے۔ فقہ میں کتاب الام، اصول فقہ میں الرسالۃ اور حدیث میں المسند آپ کی اہم کتابیں ہیں۔

عجلونی:

اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی العجلونی الدمشقی، ابوالفداء (۱۰۸۷-۱۱۶۲ھ) شام کے

مشہور محدث۔ کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنۃ الناس، الفیض الجاری فی شرح صحیح البخاری، شرح الحدیث المسلسل بالدمشقیین اور عقد الجوہر الثمین آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

عراقی:

عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن العراقی، ابوالفضل، زین الدین (۷۲۵-۸۰۶ھ) عظیم حفاظِ حدیث میں سے تھے۔ المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج اَحادیث الاحیاء، الالفیہ اوراس کی شرح فتح المغیث، تقریب الاسانید وترتیب المسانید آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

عُقیلی:

محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد العقیلی المکی، ابوجعفر، (م ۳۲۲ھ) حفاظِ حدیث میں سے تھے۔ الضعفاء ان کی اہم تصنیف ہے۔

فلاّس:

عمرو بن علی بن بحر السقاء الفلاّس البصری، ابوحفص (م ۲۴۹ھ) حفاظ حدیث میں سے تھے۔ ان کی تصانیف میں المسند، العلل اور التاریخ اہم ہیں۔

فلاّس کے لقب سے ایک اور محدث مشہور ہیں۔ ان کا پورا نام شجاع بن مخلد الفلاّس البغوی ابوالفضل (م ۲۳۵ھ) ہے۔

قسطلانی:

احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبدالملک القسطلانی القتیبی المصری، ابوالعباس، شہاب الدین (۸۵۱-۹۲۳ھ) مشہور محدثین میں سے ہیں۔ ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری اور المواہب اللدنیۃ فی المنح المحمدیۃ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

مبارک پوری:

محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم بن بہادر مبارک پوری، ابوالعلا (۱۲۸۳-۱۳۵۳ھ) ہندوستان میں چودھویں صدی ہجری کے مشہور محدث۔ حدیث، اسماء الرجال اور جرح وتعدیل میں مہارت رکھتے تھے جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الأحوذی آپ کی مشہور تصنیف ہے۔

مِزّی:

یوسف بن عبدالرحمٰن بن یوسف القضاعی الکلبی المزی، ابوالحجاج، جمال الدین (۶۵۴-۷۴۲ھ) شام کے مشہور حفاظ حدیث میں سے تھے۔ لغت، حدیث اور اسماء الرجال کے ماہر۔ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف، المنتقی من الاحادیث اور الکنیٰ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

مقدسی:

محمد بن عبدالواحد بن احمد بن عبدالرحمٰن المقدسی الحنبلی، ابوعبداللہ، ضیاء الدین (۵۶۹-۶۴۳ھ) حدیث اور تاریخ میں مہارت رکھتے تھے۔ حدیث میں الاحکام، فضائل الاعمال اور الاحادیث المختارۃ آپ کی اہم تصانیف ہیں۔

موسیٰ بن ہارون:

موسیٰ بن ہارون بن عبداللہ البزار، ابوعمران (۲۱۴-۲۹۴ھ) اپنے عہد کے مشہور حافظ حدیث۔ الفوائد ان کی اہم تصنیف ہے۔

نسائی:

احمد بن علی بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار النسائی، ابوعبدالرحمٰن (م ۳۰۳ھ)

مشہور محدث۔ طبرانیؒ اور طحاویؒ کے استاذ۔ آپ کی کتاب سنن النسائی کو صحاح ستہ میں شمار کیا گیا ہے۔

ہیثمی:

علی بن ابی بکر بن سلیمان الہیثمی المصری، ابوالحسن، نورالدین (۷۳۵-۸۰۷ھ) مشہور حفاظ حدیث میں شمار ہوتا ہے۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسۃ، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان اور غایۃ المقصد فی زوائد احمد آپ کی اہم تصانیف ہیں۔

یعقوب بن شیبہ:

یعقوب بن شیبہ بن الصلت بن عصفور السدوسی البصری المالکی، ابویوسف (۱۸۲-۲۶۲ھ) بغداد کے مشہور محدث۔ مسند کبیر آپ کی اہم تصنیف ہے۔

☆☆☆

فقہ السیرۃ (محمد الغزالیؒ) کی روایات کا جائزہ

حُبِّ رسول کے موضوع پر ایک حدیث:

(۱) شیخ محمد الغزالیؒ نے اللہ اور اس کے رسول سے محبت کا صحیح مفہوم بیان کرتے ہوئے ایک حدیث نقل کی ہے:

"أحبّوا اللّٰہ لما یغذو کم بہ من نعمۃ و أحبّونی بحب اللّٰہ."

''اللہ سے محبت کرو، اس لیے کہ وہ تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے اور اللہ سے محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو۔''

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اس کی تخریج ترمذیؒ (۳۴۳/۴-۳۴۴)، حاکمؒ (۱۵۰/۳) ابونعیمؒ (حلیۃ الاولیاء ۲۱۱/۳) اور خطیبؒ (تاریخ ۱۶۰/۴) نے ہشام بن یوسف کی سند سے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً کی ہے۔ ترمذیؒ نے لکھا ہے: ''یہ حدیث حسن غریب ہے، اسے ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔'' حاکمؒ نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے اور ذہبیؒ نے اس کی تائید کی ہے۔ یہ ان تمام محدثین اور خاص طور پر ذہبیؒ کا تساہل ہے۔ ذہبیؒ نے 'میزان الاعتدال' میں عبداللہ بن یوسف نوفلی کے ضمن میں یہ حدیث روایت کی ہے اور لکھا ہے: ''اس میں جہالت ہے، اسے نوفلی سے صرف ہشام بن یوسف نے روایت کیا ہے۔'' جب اس کو صرف ایک مجہول شخص نے روایت کیا ہے اور کسی نے اس کی توثیق نہیں کی، پھر وہ کیوں کر 'صحیح' ہو سکتی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے التقریب میں لکھا ہے: ''یہ مقبول ہے۔'' یعنی

متابع ہونے کی صورت میں اسے قبول کیا جاسکتا ہے۔ مگر اس کی متابع روایت ہے کہاں؟ اس لیے اس کے بارے میں ابن الجوزیؒ کی یہ بات درست ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔''

کتاب وسنت کے باہمی تعلق پر دلالت کرنے والی بعض روایات:

(۲) ابن عبدالبرؒ نے کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں اپنی سندوں سے بعض روایات ذکر کی ہیں۔ فرماتے ہیں: جابر بن عبداللہ بن یسارؒ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''میں ہر اس شخص سے جس کے پاس کوئی تحریر ہو بہ تاکید کہتا ہوں کہ وہ واپس جا کر اسے مٹادے، اس لیے کہ لوگ اس وقت ہلاک ہو گئے جب انہوں نے اپنے علماء کی باتوں پر عمل کرنا شروع کر دیا اور اپنے رب کی کتاب چھوڑ بیٹھے۔'' اور زہریؒ عروہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے سنن کو ضبطِ تحریر میں لانے کا ارادہ کیا تو اس سلسلے میں نبی علیہ السلام کے اصحاب سے رائے لی۔ انہوں نے تائید کی، پھر بھی حضرت عمرؓ ایک ماہ تک استخارہ کرتے رہے۔ بالآخرہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ سنن کو نہ لکھا جائے۔ انہوں نے صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''میں نے سنن کو لکھوانے کا ارادہ کیا تھا، پھر مجھے یاد آیا کہ تم سے پہلے کے لوگوں نے کچھ کتابیں لکھی تھیں، پھر انہی کو مضبوطی سے تھام لیا اور اللہ کی کتاب کو پسِ پشت ڈال دیا۔ اللہ کی قسم میں کتاب اللہ کی آمیزش دوسری چیزوں سے نہیں ہونے دوں گا۔'' دوسری روایت میں ہے: ''میں کسی دوسری چیز کی بنا پر ہرگز کتاب اللہ کو نہیں بھولوں گا۔''

شیخ محمد الغزالیؒ نے اپنی کتاب میں یہ روایات نقل کی ہیں۔ ان کے سلسلے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

> ''پہلی روایت میں 'جابر بن عبداللہ بن یسار' غلط ہے۔ صحیح جابر عن عبداللہ بن یسار ہے۔ جابر سے مراد جابر الجعفی ہے۔ یہ بہت ضعیف راوی ہے۔ جوز جانی وغیرہ نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔
>
> دوسری روایت میں عروہ سے مراد عروہ بن زبیرؒ ہیں۔ ان کا حضرت عمرؓ سے سماع

ثابت نہیں ہے، بلکہ انہوں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا، اس لیے یہ روایت منقطع ضعیف ہے۔ خطیبؒ نے تقیید العلم (ص ۴۹-۵۱) میں یہ روایت عروہؒ سے متعدد طرق سے نقل کی ہے۔ ان میں سے صرف ایک طریق موصول ہے جس میں حضرت عروہؒ اور حضرت عمرؓ کے درمیان حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں، لیکن یہ روایت شاذ ہے، جیسا کہ خطیبؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

عورت کے پردے کا ایک جزئیہ:

(۳) ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض ازواج مطہرات کے تعلق سے ناپسند کیا کہ وہ حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کو دیکھیں۔ جب انہوں نے کہا کہ "وہ تو نابینا ہیں وہ ہمیں نہیں دیکھ رہے ہیں" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم دونوں بھی نابینا ہو۔"

شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ "انہوں نے ایک مرتبہ امام حرم نبویؐ کے خطبۂ جمعہ میں یہ روایت سنی تھی، جب کہ علمائے سنت نے اس پر کلام کیا ہے۔" علامہ البانیؒ نے اپنی تخریج میں اس کی تفصیلات ذکر کی ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

"اسے ابوداؤدؒ (۲/۱-۱۸۳)، ترمذیؒ (۴/۱۵)، ابن سعدؒ (الطبقات الکبریٰ، ۱۲۶/۷، ۱۲۸) اور بیہقیؒ (۷/۹۱) نے زہری کی سند سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: "مجھ سے نبہان مولیٰ ام سلمہؓ نے بیان کیا کہ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھی، وہاں میمونہؓ بھی تھیں، ابن ام مکتوم بھی آ گئے۔ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب حجاب کا حکم آ چکا تھا۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: ان سے پردہ کرو۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ تو نابینا ہیں۔ ہمیں دیکھ سکتے ہیں نہ پہچان سکتے ہیں۔ فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو (کیا تم دونوں انہیں نہیں دیکھ رہی ہو)" ترمذیؒ نے لکھا ہے: "یہ حدیث حسن صحیح ہے۔" حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس کی سند کو قوی قرار دیا ہے۔ یہ بات محل نظر ہے۔ نبہانؒ کو ابن حبانؒ کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں قرار دیا ہے اور راویوں کو ثقہ قرار دینے میں ابن حبانؒ کا تساہل معروف ہے، جیسا کہ

خود حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ اس لیے انہوں نے التقریب میں نبہان کی توثیق نہیں کی ہے، بلکہ فرمایا کہ یہ "مقبول" ہیں، یعنی متابعت کی صورت میں ان کی روایت قابلِ قبول ہے، جب کہ اس حدیث کی کوئی متابع روایت نہیں ہے۔ اس کا بھی تقاضا ہے کہ یہ حدیث قابلِ قبول نہ ہو۔ ابن الترکمانی نے الجوہر النقی میں لکھا ہے کہ ابن عبدالبرؒ نبہان کے بارے میں فرماتے ہیں: "اس کی روایت کردہ حدیثیں حجت نہیں ہیں اور اس کی یہ حدیث منکر ہے۔"

بُحیرا راہب کا واقعہ:

(۴) بہت سے سیرت نگاروں نے ماقبلِ بعثت کے واقعات میں بُحیرا راہب کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس کے مطابق حضور کے بچپن میں آپ کے چچا ابوطالب ایک مرتبہ اپنے تجارتی سفر میں آپ کو ساتھ لے گئے۔ راستے میں بحیرا نامی ایک راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے آپ کی ذات میں علاماتِ نبوت دیکھ کر ابوطالب کو مشورہ دیا تھا کہ اپنے بھتیجے کو وطن واپس لے جاؤ اور یہود سے اسے بچا کر رکھو۔

شیخ غزالیؒ نے اس واقعہ کو بیان کر کے لکھا ہے کہ "یہ واقعہ خواہ صحیح ہو یا بے اصل، بہ ہر حال یہ بات طے شدہ ہے کہ نبی ﷺ کی آئندہ زندگی پر اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ نہ آں حضرت ﷺ اس کی بنیاد پر نبوت کی آس لگائے رہے اور نہ قافلہ والوں نے اس کا چرچا کیا۔"

علامہ البانیؒ لکھتے ہیں:

> "یہ واقعہ صحیح ہے۔ اس کی روایت امام ترمذیؒ (۲۹۶/۴) نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے کی ہے اور لکھا ہے: "یہ حدیث حسن ہے۔" جزری نے لکھا ہے: "اس کی سند صحیح ہے، البتہ اس میں ابوبکرؓ اور بلالؓ کا ذکر صحیح نہیں ہے۔" اس کی روایت بزار نے بھی کی ہے۔ اس میں ہے کہ "آپ ﷺ کے چچا نے ایک آدمی کے ساتھ آپ کو واپس بھیج دیا۔"

شیخ غزالیؒ نے بُحیرا راہب کے متعلق یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ "روم کے شہسواروں کا

ایک دستہ بُحیرا راہب کے پاس آیا اور کچھ ڈھونڈنے لگا۔ بحیرا نے دریافت کیا: یہاں کیوں آئے ہو؟ ان لوگوں نے جواب دیا: ''ہم اس لیے آئے ہیں کہ اس مہینہ ایک نبی ظاہر ہوگا، اسے پکڑنے کے لیے ہر راستے پر کچھ لوگوں کو بھیجا گیا ہے۔ بُحیرا نے انہیں سمجھا بجھا کر قائل کرلیا کہ اس کی تلاش عبث ہے۔''

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے:

''محققین کے نزدیک یہ روایت موضوع ہے۔ اس میں اس واقعہ سے مشابہت ہے جسے اہل انجیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے فوراً بعد کچھ لوگ انہیں قتل کرنے کے لیے تلاش کر رہے تھے۔ اور عیسائیوں کے یہاں پایا جانے والا یہ واقعہ اس واقعہ سے مشابہت رکھتا ہے جسے بدھ مت کے پیروکار بیان کرتے ہیں کہ گوتم بدھ کی جب ولادت ہوئی تو دشمنوں نے انھیں قتل کرنے کے لیے تلاش کیا۔

علمائے سنت روایات کی تحقیق متن اور سند دونوں پہلوؤں سے کرتے ہیں۔ اگر ان سے پختہ علم اور ظن غالب حاصل نہ ہو تو ان کی پروا نہیں کرتے۔ پیغمبروں کی جانب بہت سی خرافات منسوب کردی گئی ہیں۔ اگر انہیں فن حدیث کے مقررہ قواعد کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو ان کا کھوٹ ظاہر ہوتا ہے اور ان کی بنا پر انہیں رد کرنا مناسب ہوتا ہے۔''

حاشیہ میں شیخ غزالیؒ نے اس روایت کے بارے میں بعض علمائے محققین کے اقوال نقل کیے ہیں۔ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے: ''کہا گیا ہے کہ اس حدیث کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں ہے کہ آں حضرت ﷺ کے ساتھ ابوبکرؓ نے بلالؓ کو بھیجا، جب کہ بلالؓ اس وقت تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور ابوبکرؓ اس وقت بچے تھے۔'' صاحب تحفۃ الاحوذی نے لکھا ہے: ''ذہبیؒ نے اس حدیث کو مذکورہ جملے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، کیوں کہ ابوبکرؓ نے اس وقت تک بلالؓ کو خریدا نہیں تھا۔'' حافظ ابن حجرؒ نے الاصابۃ میں لکھا ہے: ''اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ اس میں اس جملے کے علاوہ کوئی نقص نہیں ہے۔ اس بات کا احتمال ہے کہ یہ جملہ

مدرج ہو، یعنی کسی دوسری منقطع روایت سے اس میں شامل ہو گیا ہو اور یہ کسی راوی کا وہم ہو۔" یہی بات المواہب اللدنیۃ میں کہی گئی ہے۔ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے: "ترمذیؒ وغیرہ میں ہے کہ ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کے ساتھ بلالؓ کو بھیجا۔" یہ بالکل غلط ہے۔ بلالؓ کا اس وقت تک وجود ہی نہیں تھا، اور اگر تھا تو وہ اس وقت آں حضرت ﷺ کے چچا یا ابوبکرؓ کے ساتھ نہیں تھے۔ (ملاحظہ کیجئے تحفۃ الاحوذی، طبع ہند، کتاب المناقب ۲۹۳/۱) حافظ ابن کثیرؒ نے السیرۃ (۲۴۷/۱ طبع الحلبی) میں لکھا ہے: "اس حدیث کو ترمذیؒ، حاکمؒ، بیہقیؒ اور ابن عساکرؒ نے روایت کیا ہے۔ اس میں بعض عجیب وغریب باتیں ہیں۔ یہ مرسلات صحابہ میں سے ہے۔ اس لیے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جو اس کے راوی ہیں، غزوۂ خیبر کے سال (۷ھ) تشریف لائے تھے۔ اصطلاحاتِ حدیث کے رُو سے یہ حدیث معلّل ہے۔"

اس واقعہ کے بارے میں بھی شیخ البانیؒ نے لکھا ہے:

> "اس حدیث کو موضوع کہنا صحیح نہیں۔ اس کی روایت ترمذیؒ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ محض عیسائیوں کے واقعہ سے مشابہت کی بنا پر اس کی صحت پر حرف نہیں آئے گا۔ اہل انجیل کے بہت سے بیانات قرآنی بیانات کے مشابہ ہیں مثلاً یہ کہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت انہیں قتل کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات انجیل اور قرآن دونوں میں مذکور ہے۔ کیا محض انجیل سے مشابہت کی بنا پر ہم قرآن کے اس بیان کو رد کر دیں گے؟!"

قبلِ بعثت لہو ولعب کی مجلسوں سے دُوری؟

(۵) شیخ غزالیؒ نے ابن الاثیرؒ کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رسالت سے مشرف ہونے سے قبل دو مرتبہ میں نے ویسے (لہو ولعب کے) کام کرنے چاہے جیسے اہل جاہلیت کیا کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا۔ جو لڑکا میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا اس سے ایک مرتبہ میں نے کہا کہ تم میری بکریاں دیکھو، میں مکہ جا کر کچھ تفریح کر کے آتا ہوں۔ وہ تیار ہو گیا۔ شہر میں داخل ہوتے ہی کہ پہلے گھر کے پاس میں نے

گانے بجانے کی آواز سنی۔ پوچھا: یہ کیا؟ لوگوں نے بتایا: فلاں کی شادی ہو رہی ہے۔ میں بیٹھ کر سننے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنی گہری نیند طاری کر دی کہ صبح دھوپ سے میری آنکھ کھلی۔ دوسرے دن پھر میں نے ارادہ کیا، مگر اس دن بھی ویسا ہی ہوا جیسا پہلے دن ہوا تھا۔ اس کے بعد پھر کبھی میں نے ایسا کام نہیں کیا۔"

اس کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

"یہ حدیث ضعیف ہے۔ اسے حاکمؒ (۲۴۵/۴) نے ابن اسحاقؒ کی سند سے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کیا ہے، پھر لکھا ہے: "یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔" ذہبیؒ نے اس کی تائید کی ہے۔ لیکن یہ دونوں کا وہم ہے۔ اس کی دو وجہیں ہیں:

اول: امام مسلمؒ ابن اسحاقؒ سے ہمیشہ دوسرے راویوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں، جیسا کہ خود ذہبیؒ نے المیزان میں لکھا ہے، جب کہ حاکمؒ نے اس حدیث کو ابن اسحاق سے تنہا روایت کیا ہے۔ اس لیے یہ مسلم کی شرط پر نہیں ہے۔

دوم: اس کی سند میں ایک راوی محمد بن عبداللہ بن قیس ہے جو مشہور العدالۃ نہیں ہے۔ اسے صرف ابن حبانؒ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ اور کسی کے بارے میں تنہا ابن حبانؒ کی توثیق قابل اعتماد نہیں ہے، اس لیے کہ وہ بسا اوقات مجہول راویوں کو ثقہ کہہ دیتے ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اللسان میں لکھا ہے۔ اسی لیے حافظ نے التقریب میں ابن قیس کو ثقہ نہیں قرار دیا ہے، بلکہ "مقبول" کہا ہے، یعنی متابع نہ ہونے کی صورت میں ان کی روایت ضعیف ہے۔ پھر یہ مسلمؒ کے رایوں میں سے نہیں ہیں، جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہو گیا ہے۔

اس حدیث کو حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ البدایۃ والنہایۃ (۲۸۷/۲) میں ضعیف قرار دیا ہے۔ انہوں نے بیہقیؒ کی روایت سے مذکور سند سے اسے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "یہ حدیث بہت زیادہ غریب ہے۔" ممکن ہے یہ حضرت علیؓ پر موقوف ہو۔ ابن اسحاق کے شیخ کا تذکرہ ابن حبانؒ نے الثقات میں کیا ہے اور بعض

لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ صحیح کے راویوں میں سے ہیں۔ ہمارے شیخ نے التہذیب میں لکھا ہے: ''میں اس سے واقف نہیں (لم اقف علیہ) واللہ اعلم۔ یہ حدیث مجھے تاریخ مکۃ للفاکہی (ص ۷) اور تاریخ ابن جریر (۳۴/۲) میں مذکورہ سند سے ملی۔ طبرانیؒ نے المعجم الصغیر (ص ۱۹۰) میں حضرت عمار بن یاسر سے اس کی روایت کی ہے۔ اس کی سند میں متعدد حضرات ایسے ہیں جن سے میں واقف نہیں (لم اعرفھم) اسی کے مثل حافظ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد (۲۲۶/۸) میں بیان کیا ہے۔''

حلف الفضول:

(۶) شیخ محمد الغزالیؒ نے ابن الاثیرؒ کے حوالے سے حلف الفضول کا واقعہ بیان کیا ہے کہ قریش کے کچھ قبائل نے قبیلۂ تیم کے بزرگ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں باہم ایک معاہدہ کیا تھا کہ مکہ میں کسی شخص پر ظلم نہیں ہونے دیں گے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ بھی شریک ہوئے تھے۔ منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے چچاؤں کے ساتھ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایک ایسے معاہدہ میں شریک رہا ہوں جو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر کسی ایسے معاہدہ کے لیے مجھے اب بلایا جائے تو میں ضرور اس میں شریک ہوں گا۔''

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''اس کی روایت ابن اسحاقؒ نے السیرۃ میں کی ہے، جیسا کہ ابن ہشام (۹۲/۱ الطبعۃ الجمالیۃ) نے ذکر کیا ہے۔ اس میں ہے کہ طلحہ بن عبداللہ بن عوف زہریؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ یہ سند صحیح ہے، لیکن مرسل ہے، اگرچہ اس کے شواہد ہیں جس سے یہ روایت قوی ہو جاتی ہے۔ حمیدیؒ نے اس کی روایت ایک دوسری مرسل سند سے کی ہے، جیسا کہ البدایۃ (۲۹/۲) میں مذکور ہے۔ امام احمدؒ (حدیث نمبر ۱۶۵۵، ۱۶۷۶) نے اس کی تخریج عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مرفوعاً کی ہے، لیکن اس میں یہ جملہ نہیں ہے: ''اگر کسی ایسے معاہدہ کے لیے مجھے اب بلایا جائے تو میں ضرور اس میں شرکت کروں گا۔'' اس کی سند صحیح ہے۔

آں حضرت ﷺ کی جسمانی طاقت اور نشاط

(۷) شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ نبوت سے قبل آں حضرت ﷺ اپنے عہدِ شباب میں بھرپور جسمانی طاقت وقوت کے مالک تھے۔ آپ کی یہ بھرپور طاقت زندگی کے آخری ایام تک قائم رہی۔ دلیل میں انہوں نے یہ روایت پیش کی ہے جس میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

> ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا۔ ایسا لگتا تھا کہ آپ کے روئے انور میں سورج دمک رہا ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ سے زیادہ تیز چلتے ہوئے میں نے کسی کو نہیں پایا۔ ایسا لگتا تھا کہ زمین آپ کے لیے لپیٹ دی گئی ہے۔ اگر کبھی ہمیں آپ کے ساتھ چلنے کا موقع ملتا تو ہم بہت تھک جاتے تھے، لیکن آپ ﷺ کے اوپر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔''

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

> ''اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اس کی روایت ترمذیؒ نے اپنی سنن (۲۰۶/۴) اور شمائل (۱۱۷/۱) میں کی ہے۔ اور ''یہ حدیث غریب ہے'' لکھ کر اس کی تضعیف کی ہے۔ اس کے ضعف کا سبب یہ ہے کہ اس کی روایت ابن لہیعۃ نے کی ہے جو ضعیف ہیں۔ ان کا حافظہ کمزور تھا اور ان کی کتابیں نذرِ آتش ہوگئی تھیں۔

حنیفیت کے پیروکار

(۸) آفتابِ اسلام طلوع ہونے سے قبل سرزمین مکہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو شرک اور اس کی آلائشوں سے پاک اور حنیفیت کے پیروکار تھے۔ ان میں سے ایک زید بن عمرو بن نفیل بھی تھے۔ ان کے بارے میں شیخ غزالیؒ نے امام بخاریؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے بیان کیا: ''نبی ﷺ پر وحی آنے سے قبل ایک مرتبہ آپ ﷺ کی ملاقات زید بن عمرو بن نفیل سے 'بلدح' کے زیریں حصے میں ہوئی۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے کھانا پیش کیا جس میں گوشت بھی تھا۔ زید نے کھانے سے انکار کیا اور کہا: ''تم لوگ اپنے آستانوں پر جن جانوروں کو ذبح

کرتے ہوان کا گوشت میں نہیں کھاتا ہوں۔ میں صرف اس جانور کا گوشت کھاتا ہوں جس کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو۔"

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''اس کی تخریج امام احمدؒ نے بھی حضرت ابن عمرؓ کی روایت (حدیث نمبر ۵۳۶۹) اور حضرت سعید بن زید بن عمروؓ کی روایت (حدیث نمبر ۱۶۴۸) سے کی ہے، البتہ حضرت سعیدؓ کی روایت میں ایک نا قابل قبول اضافہ (زیادہ منکرۃ) ہے۔ اس میں زید کے قول ''تم لوگ اپنے آستانوں پر جن جانوروں کو ذبح کرتے ہوان کا گوشت میں نہیں کھاتا ہوں۔'' کے بعد راوی کہتا ہے: اس کے بعد نبی ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ نے آستانہ پر ذبح کیے گئے جانور کا گوشت کھایا ہو''، یہ اضافہ مسعودی کی روایت میں ہے، جن کا حافظہ آخر عمر میں بگڑ گیا تھا (و کان قد اختلط) اور ان سے اس حدیث کے راوی یزید بن ہارون ہیں جنہوں نے ان سے حافظہ بگڑنے کے بعد سنا ہے۔''

مسند احمد کے محقق شیخ احمد محمد شاکرؒ نے حضرت سعیدؓ سے مروی حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے راوی مسعودی کا حافظہ بگڑ جانے کے باوجود انہوں نے اس روایت کو اس لیے صحیح قرار دیا ہے کیوں کہ اس کا مفہوم حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے، جو صحیح سند مروی ہے، ثابت ہے۔ حالاں کہ یہ بات صحیح نہیں، کیوں کہ ابن عمرؓ کی روایت میں یہ نا قابلِ قبول اضافہ نہیں ہے، اس لیے شیخ شاکرؒ کو اس کی صراحت کر دینی چاہیے تھی، تا کہ کسی کو غلط فہمی نہ ہو کہ یہ اضافہ بھی حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے ثابت ہے۔''

نزول وحی کی کیفیت

(۹) شیخ غزالیؒ نے نزولِ وحی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ایک روایت نقل کی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ پر جب وحی کا نزول ہوتا تھا تو آپ کے روئے

انور کے پاس شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔‘‘

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

’’یہ ضعیف حدیث ہے۔اس کی تخریج امام ترمذیؒ (۱۵۱/۲-۱۵۲) نے کی ہے اور بیان کیا ہے کہ اس کی سند میں اختلاف ہے۔اس کا مدار یونس بن سلیم پر ہے۔اس سے عبدالرزاق نے روایت کی ہے اور یونس مجہول ہے۔اسی کی سند سے اس کی تخریج احمدؒ (حدیث نمبر ۲۲۳)، حاکمؒ (۵۳۵/۱، ۲/۳۹۲) اور نسائیؒ نے کی ہے۔امام نسائیؒ نے لکھا ہے: ’’یہ منکر حدیث ہے، ہمیں نہیں معلوم کہ یونس کے علاوہ کسی نے اس کی روایت کی ہو اور یونس کو ہم نہیں جانتے۔‘‘ حاکمؒ نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے، لیکن یہ ان کا تساہل ہے۔رہے ذہبیؒ تو اس روایت کے سلسلے میں ان کی باتوں میں تناقض پایا جاتا ہے۔ایک جگہ انہوں نے حاکمؒ کے مثل اسے صحیح قرار دیا ہے اور اس سے شیخ احمد شاکرؒ کو بھی دھوکا ہو گیا ہے جب کہ دوسری جگہ انہوں نے اس سند کے بارے میں لکھا ہے: ’’عبدالرزاقؒ سے ان کے شیخ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا: میرا گمان ہے کہ وہ قابلِ ذکر نہیں ہیں (اظنه لا شیء)۔ میزان میں ذہبیؒ نے اس روایت کے بارے میں نسائیؒ کے قول کہ ’’یہ حدیث منکر ہے‘‘ کو نقل کر کے اس کی تائید کی ہے۔ابن حبانؒ نے یونس بن سلیم کو ثقہ قرار دیا ہے، لیکن اس کا اعتبار نہیں، اس لیے کہ ابن سلیم کے شاگرد عبدالرزاقؒ انہیں ابن حبان کے مقابلے میں زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں۔‘‘

رشتہ داروں کو دعوت

(۱۰) ایک روایت میں ہے کہ جب آیت ’’وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ‘‘ (الشعراء:۲۱۴) (اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ) نازل ہوئی تو یہ حکمِ الٰہی آں حضرت ﷺ پر بہت گراں گزرا۔آپ اپنے گھر میں مریض کی طرح بیٹھ رہے۔آپ کی پھوپھیاں آپ کی عیادت کے لیے آئیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں بیمار نہیں ہوں، بلکہ میری یہ کیفیت اس وجہ سے

ہے کہ اللہ نے مجھے اپنے رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اپنے رشتہ داروں کو اکٹھا کیجئے، مگر ابولہب کو نہ بلائیے گا، کیوں کہ وہ آپ کی بات نہیں مانے گا۔ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ خاندان کے پینتالیس افراد اکٹھا ہوئے، ساتھ ہی ابولہب بھی آ گیا اور اس نے ایسی باتیں کہیں جن کی بنا پر آپ اس مجلس میں اپنے رشتہ داروں کے سامنے اللہ کا پیغام نہیں رکھ سکے۔''

شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ یہ روایت ابن الاثیرؒ نے جعفر بن عبداللہ بن ابی الحکم سے نقل کی ہے۔ علامہ البانیؒ لکھتے ہیں:

''کتب رجال میں مجھے اس نام کا کوئی راوی نہیں ملا۔ ایک دوسرا راوی ہے جس کا پورا نام یہ ہے: ''جعفر بن عبداللہ بن الحکم'' یہ انصاری اور دوسی ہیں اور ان کا شمار صغار تابعین میں ہوتا ہے۔ وہ حضرت انسؓ اور تابعین سے روایت کرتے ہیں، اگر یہی مراد ہیں تو یہ سند مرسل ضعیف ہے، مکمل سند سے مجھے واقفیت نہیں اور اگر یہ راوی کوئی دوسرے ہیں تو انہیں میں نہیں جانتا۔''

حضرت عمار بن یاسرؓ پر مظالم

(۱۱) دعوتِ حق کو قبول کرنے کی پاداش میں مشرکین قریش نے کم زور مسلمانوں کو ستانا شروع کر دیا اور ان پر اذیتوں کے پہاڑ توڑنے لگے۔ شیخ غزالیؒ نے اس سلسلے میں آل یاسرؓ، بلالؓ، خبابؓ پر مظالم کے بعض واقعات بیان کیے ہیں۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کے بارے میں لکھا ہے:

''مشرکینِ قریش حضرت عمارؓ کو کبھی چلچلاتی دھوپ کا عذاب دیتے، کبھی انھیں لٹا کر ان کے سینے پر بڑا سا پتھر رکھ دیتے۔ کبھی انہیں پانی میں ڈبکی دیتے۔ وہ کہتے: ہم تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک تم محمد (ﷺ) کو برا بھلا نہ کہو یا لات وعزیٰ کے بارے میں کلمۂ خیر نہ کہو۔ جب انہوں نے یہ کہہ دیا تب جا کر ان لوگوں نے انہیں چھوڑا۔ وہ روتے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آں حضرت ﷺ نے دریافت کیا: کیا بات ہے؟ عرض کیا: اے اللہ کے رسول!

بہت برا ہو گیا، پھر انہوں نے تفصیل بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟ عرض کیا: وہ ایمان پر مطمئن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمار! اگر وہ لوگ پھر ویسا ہی کریں اور ویسی ہی بات کہنے کو کہیں تو کہہ دو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ (النحل: ۱۰۶)

''سوائے اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔''

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''مذکورہ روایت کا ثبوت اس سیاق میں محلِ نظر ہے۔ اس کی علت اس کا مرسل ہونا ہے۔ اس کی تخریج ابن جریرؒ (تفسیر ۱۲/۱۱۳)، ابو نعیمؒ (۹/۱۴۰) اور ابو بکر جصاصؒ (احکام القرآن ۳/۲۳۶) نے ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسرؓ کی سند کی ہے۔ اسی طرح حاکمؒ (۲/۳۵۷) نے اس کی تخریج عن أبي عبيدة عن أبيه کی سند سے کی ہے، پھر لکھا ہے: ''یہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔'' اور ذہبیؒ نے ان کی تائید کی ہے۔ پہلے مجھے ان دونوں کے بیانات سے دھوکا ہوا تھا، لیکن اب مجھ پر ان کی غلطی واضح ہو گئی ہے۔ تمام حضرات نے اس راویت کو ابو عبیدہ سے نقل کیا ہے۔ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ ابو عبیدہ کی روایت اپنے باپ سے صحیح ہے تو بھی ان کے باپ تابعی ہیں نہ کہ صحابی۔ اس بنا پر یہ روایت اگر معضل نہ ہو تو مرسل ضرور ہے۔ پھر یہ کہ شیخین نے ابو عبیدہ اور ان کے باپ سے کوئی راویت نہیں لی ہے، بلکہ ابو عبیدہ کے بارے میں ابن ابی حاتمؒ (۴/۲/۴۰۵) نے لکھا ہے: ''وہ اپنے باپ سے روایت کریں تو منکر الحدیث ہیں۔'' ابن معینؒ وغیرہ نے بھی اس بات کی تائید کی ہے۔ پھر یہ روایت صحیح کیوں کر ہو سکتی ہے، چہ جائے کہ اسے شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا جائے۔

ہاں یہ بات صحیح ہو سکتی ہے کہ آیت اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ...... حضرت عمارؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہو۔ اس لیے کہ یہ بات متعدد طرق میں مذکور ہے جنہیں ابن جریرؒ نے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم''

چاہے یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں......

(۱۲) شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے اور دیگر تمام مؤلفینِ سیرت بھی لکھتے آئے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی دعوت پھیلنے لگی تو ایک موقع پر سردارانِ قریش جناب ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا اور ہمارے دین میں عیب نکالتا ہے، اسے سمجھائیں۔ ابوطالب نے ان لوگوں کو کچھ کہہ سن کر واپس کر دیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد ان کا وفد دوبارہ ابوطالب کے پاس گیا اور پہلے سے زیادہ سخت لہجے میں بات کی اور کہا کہ ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہوا چاہتا ہے۔ وفد قریش کے جانے کے بعد ابوطالب نے آں حضرت ﷺ کو بلایا، انہیں وہ باتیں بتائیں جو قریش نے ان سے کہی تھیں اور کہا: ''بھتیجے، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے سہار نہ سکوں'' اس پر آں حضرت ﷺ نے گمان کیا کہ آپ کے چچا اب آپ کی حمایت ونصرت سے ہاتھ کھینچنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''چچا جان! اللہ کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور اس کے بدلے مجھ سے چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تو میں اسے نہیں چھوڑ سکتا، یہاں تک کہ یا تو اللہ تعالیٰ اسے غالب کر دے یا میں اسی راہ میں کام آ جاؤں۔''

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی تخریج ابن اسحاقؒ (۱/۱۰۷) نے اور ان کی سند سے ابن جریرؒ (۲/۶۷) نے یعقوب بن عتبہ بن المغیرہ بن الاخنس کی سند سے کی ہے۔ یہ معضل سند ہے۔ یعقوب نے کسی صحابی کو نہیں پایا۔ اس بنا پر یہ تبع تابعی ہوئے۔ اس واقعہ کو مختصراً طبرانی نے الاوسط اور الکبیر میں حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کی سند سے بیان کیا ہے۔ اس میں آں حضرت ﷺ کے ارشاد ''اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج......'' کے بجائے آپ کا یہ ارشاد ہے: ''اللہ کی قسم جس طرح

سورج سے آگ کا ایک ٹکڑا الگ نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح جس چیز کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اس کی دعوت وتبلیغ سے کنارہ کش نہیں ہو سکتا۔" اس روایت میں آگے یہ بھی ہے کہ اس پر ابو طالب نے وفدِ قریش سے کہا: "اللہ کی قسم میرے بھتیجے نے کچھ بھی غلط نہیں کہا۔ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ" ہیثمیؒ نے 'مجمع' (۶/۱۵) میں لکھا ہے: "اس کی روایت ا[illegible] طبرانی نے کی ہے، البتہ اس کا ابتدائی حصہ مختصر ہے اور ابو یعلیٰ کی سند کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں۔"

"غرانیق عُلا" کا افسانہ

(۱۳) ہجرتِ حبشہ کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ مہاجرین حبشہ تک یہ افواہ پہنچی کہ مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان صلح ہو گئی ہے اور مسلمان اذیتوں سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ کچھ مہاجرین واپس لوٹ آئے، مگر جب وہ مکہ کے قریب پہنچے تو یہ خبر غلط نکلی۔ اس افواہ کا پس منظر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ سورۂ نجم کی آیات تلاوت فرما رہے تھے:

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ٥ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ٥ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى ٥ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ٥ اِنْ هِيَ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (النجم: ۱۹-۲۳)

"اب ذرا بتاؤ، تم نے کبھی اس لات اور اس عزیٰ اور تیسری ایک دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور کیا ہے؟ کیا بیٹے تمہارے لیے ہیں اور بیٹیاں خدا کے لیے؟ یہ تو پھر بڑی دھاندلی کی تقسیم ہوئی۔ دراصل یہ کچھ نہیں ہیں، مگر بس چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔"

تو شیطان نے "مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى" کے بعد آپ کے منہ سے یہ نکلوا دیا "تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلَا اِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى" (یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں، ان کی شفاعت ضرور مقبول ہوگی) چنانچہ پوری سورت پڑھنے کے بعد جب آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو آپ کے ساتھ

مشرکین بھی سجدہ ریز ہو گئے۔

شیخ محمد الغزالیؒ نے اس قصہ کو سرسری طور پر ذکر کر کے لکھا ہے کہ مذکورہ آیات کا مطالعہ کیا جائے تو ان کے درمیان یہ الحاقی جملے بالکل بے جوڑ معلوم ہوتے ہیں۔ کاش تاریخ و تفسیر کی کتابوں میں اس انتہائی مہمل اور لغو روایت کو نقل ہی نہ کیا جاتا۔ انہوں نے اس کی یہ تاویل و توجیہ کی ہے کہ سورۂ نجم کی آخری آیات میں گزشتہ قوموں کی تباہی و بربادی کا تذکرہ کر کے منکرین حق کو ڈرایا دھمکایا گیا ہے۔ ممکن ہے ان آیات کی ہیبت سے مشرکین مکہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سجدہ میں گر پڑے ہوں۔ بعد میں انہیں اپنے اس عمل پر ندامت ہوئی ہو تو انہوں نے بات بنانے کے لیے یہ اڑادی ہو کہ محمد (ﷺ) نے ان کے بتوں کے لیے کلماتِ خیر کہے تھے اسی لیے انہوں نے سجدہ کیا تھا۔

علامہ البانیؒ فرماتے ہیں کہ اس توجیہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ روایات میں اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''یہ ماننے میں کوئی مانع نہیں ہے کہ یہ افسانہ بعد میں گھڑا گیا ہو۔ یہی زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ اس لیے کہ اس کی روایت کسی صحابی سے کسی معتبر سند سے نہیں ہے۔ اس کے تمام طرق مرسل ہیں۔ پتا نہیں عہدِ نبوت کے کس شخص نے اس کی روایت کی ہے۔ حدیثی نقطۂ نظر سے اس قصہ کے بے بنیاد ہونے پر میں نے اپنی کتاب ''نصب المجانیق لنسف قصة الغرانیق'' میں تفصیل سے بحث کی ہے۔''

غم کا سال

(۱۴) آں حضرت ﷺ کے چچا ابو طالب کی وفات کے بعد قریش بہت زیادہ جری ہو گئے تھے اور آں حضرت ﷺ کو زیادہ اذیتیں دینے لگے تھے۔ اس سلسلے میں شیخ غزالیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے: ''بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: قریش مجھ کو کچھ تکلیف نہیں پہنچا سکے، یہاں تک کہ ابو طالب کا انتقال ہو گیا''۔

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ لکھتے ہیں:

''یہ ضعیف روایت ہے۔ اسے ابن اسحاقؒ (۱/۲۵۸) نے صحیح سند سے عروہ بن الزبیرؒ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔''

واقعۂ طائف

(۱۵) مشرکینِ مکہ سے مایوس ہو کر آں حضرت ﷺ نے ارادہ کیا کہ اہل طائف کے پاس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ طائف مکہ سے تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر ایک سرسبز علاقہ تھا۔ آپ ﷺ نے وہاں کے سرداروں سے ملاقات کی اور ان تک اللہ کا پیغام پہنچایا، لیکن وہ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ بری طرح پیش آئے اور آپ کی دعوت کو سختی سے رد کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم لوگ نہیں مانتے تو کم از کم یہاں میرے آنے کے معاملے کو مخفی رکھو۔'' ان لوگوں نے آپ کی یہ بات بھی نہ مانی۔ آپ کے پیچھے اوباشوں کو لگا دیا، جو آپ پر پتھر برساتے تھے۔ آخر کار آپ ﷺ نے ایک باغ میں پناہ لی۔ وہاں بیٹھ کر آپ ﷺ نے بارگاہِ الٰہی میں اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور دیر تک دعا کرتے رہے۔

علامہ البانی نے اس سیاق میں لکھا ہے:

''اس واقعہ کو ابن اسحاقؒ (۱/۲۶۰-۲۶۲) نے محمد بن کعب قرظیؒ سے صحیح سند سے مرسلاً روایت کیا ہے، لیکن انہوں نے آپ کے ارشاد: ''تم لوگ نہیں مانتے تو کم از کم یہاں میرے آنے کے معاملہ کو مخفی رکھو۔'' اور آپ کی دعا کو بغیر سند کے بیان کیا ہے۔ اسی طرح ابن جریرؒ (۱/۸۰-۸۱) نے بھی اسے ابن اسحاقؒ کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس واقعہ کو طبرانیؒ نے المعجم الکبیر میں عبداللہ بن جعفر کی روایت سے مختصراً بیان کیا ہے۔ اس میں مذکورہ دعا بھی ہے۔ ہیثمیؒ (۶/۳۵) فرماتے ہیں: ''اس روایت کی سند میں ابن اسحاقؒ ہیں جو ثقہ، لیکن مدلس ہیں۔ دیگر راوی بھی ثقہ ہیں۔'' اس اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے۔''

مطعم بن عدی کے جوار میں

(۱۶) طائف سے واپسی پر آں حضرت ﷺ کو قریش کی جانب سے اذیتوں کا اندیشہ تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے مکہ میں داخل ہونے سے قبل مطعم بن عدی کو کہلا بھیجا کہ آپ ﷺ ان کی پناہ میں مکہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ وہ تیار ہو گئے، اپنے بیٹوں کے ساتھ اسلحہ بند ہو کر مسجد حرام میں آئے اور سرداران قریش کے سامنے اعلان کر دیا کہ انہوں نے محمد (ﷺ) کو اپنے جوار میں لے لیا ہے۔

اس واقعہ کے سلسلے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''مجھے اس کی کوئی سند نہیں ملی۔ ابن جریرؒ (۸۲/۲-۸۳) نے اسے بغیر سند کے درج کیا ہے اور لکھا ہے: ''بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے ....'' شاید ان کی مراد یحییٰ بن سعید اموی سے ہے جنہوں نے اپنی مغازی میں یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ کیوں کہ حافظ ابن کثیرؒ (۱۳۷/۳) نے بھی اسے بغیر سند کے ان کی جانب منسوب کیا ہے۔''

بیعتِ عقبہ کبریٰ

(۱۷) شیخ غزالیؒ نے دوسری بیعتِ عقبہ کا مفصل احوال حضرت جابر بن عبداللہؓ کے واسطے سے بیان کیا ہے۔ اس موقع پر مدینے سے ستر افراد زمانۂ حج میں آئے تھے۔ انہوں نے عقبہ کی گھاٹی میں آں حضرت ﷺ سے ملاقات کی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرداً فرداً سمع و طاعت، اللہ کی راہ میں انفاق، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اپنی نصرت وحمایت پر بیعت کی تھی۔ اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''اس کی تخریج احمدؒ (۳۲۲/۳، ۳۳۹، ۳۹۴)، حاکمؒ (۶۲۴/۲-۶۲۵) اور بیہقیؒ (سنن کبریٰ ۹/۹) نے ابن خیثم عن ابی الزبیر عن جابر کی سند سے کی ہے۔ حاکمؒ نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے اور ذہبیؒ نے اس کی تائید کی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ (۱۶۰/۳) میں لکھا ہے: ''اس کی سند اچھی (جید) اور مسلم کی شرط پر ہے۔''

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۱۷۷/۷) میں لکھا ہے: ''احمدؒ نے حسن سند کے ساتھ اس کی روایت کی ہے اور حاکمؒ اور ابن حبانؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔''

اس روایت میں ایک علّت ہے اور وہ یہ کہ ابوالزبیر نے اسے ''عن'' کے لفظ سے روایت کیا ہے اور وہ مدلّس تھے اور اسے ان سے لیث بن سعد نے نہیں روایت کیا ہے۔ اس لیے غالباً اسے اس کے شواہد کی بنا پر صحیح یا حسن قرار دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔''

نقباء کی تعیین

(۱۸) مدینہ سے آنے والے ان مسلمانوں سے بیعت کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے میں سے بارہ لوگوں کو ''نقیب'' متعین کردیں جو اپنے اپنے قبیلہ کی شاخوں کے ذمہ دار ہوں گے، چنانچہ 'خزرج' میں سے نو اور 'اوس' میں سے تین نقباء متعین کیے گئے۔ آں حضرت ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم لوگ اسی طرح اپنے قبیلوں کے کفیل (ذمہ دار) ہو جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری اپنے قبیلوں کے کفیل تھے اور میں پوری قوم کا کفیل ہوں۔''

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کی روایت ابن اسحاقؒ (مغازی، سیرت ابن ہشام ۲۷۳-۲۷۶) اور احمدؒ (۴۶۰/۳-۴۶۲) نے کی ہے۔ ابن جریرؒ نے اپنی تاریخ (۹۰/۲-۹۳) میں اسے ابن اسحاقؒ کی سند سے بیان کیا ہے۔ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں: ''مجھ سے بیان کیا معبد بن کعب بن مالک بن ابی کعب بن القین نے کہ ان کے بھائی عبداللہ بن کعب نے، جو مدینہ کے بڑے اصحاب علم میں سے تھے، بیان کیا کہ ان کے والد نے ان سے بیان کیا تھا۔'' یہ صحیح سند ہے۔ اسی طرح ابن حبان نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے، جیسا کہ فتح الباری (۲۷۵/۵) میں مذکور ہے۔

جہاں تک ان لوگوں سے رسول اللہ ﷺ کے فرمان: ''تم لوگ اسی طرح اپنے قبیلوں کے کفیل ہو......'' کا تعلق ہے تو اس کی تخریج ابن اسحاقؒ (۲۷۷/۱) نے

عبداللہ بن ابی بکر سے مرسلاً کی ہے۔ اس بنا پر یہ ضعیف ہے۔ ابن جریرؒ (۹۳/۲) نے بھی اس کی روایت ابن اسحاقؒ کی سند سے کی ہے۔"

ہجرت مدینہ سے قبل آں حضرت ﷺ کی دعا

(۱۹) ہجرتِ مدینہ کے ضمن میں شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے: "جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے جانے کا پختہ ارادہ کر لیا تو وحی الٰہی کے ذریعے آپ کو یہ دعا سکھائی گئی:

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا٥ (بنی اسرائیل: ۸۰)

"اور دعا کرو کہ پروردگار، مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔"

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

"یہ حدیث ابن عباسؓ کا ایک ٹکڑا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے۔ پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا اور آپ پر اس سلسلے میں وحی نازل کی گئی۔" انہوں نے اسی آیت کا تذکرہ کیا۔ اس کی تخریج ترمذیؒ (۱۲۷/۴)، حاکمؒ (۳/۳)، بیہقیؒ (۹/۹) اور احمدؒ (حدیث نمبر ۱۹۴۸) نے قابوس بن ابی ظبیان عن ابیہ (مسند احمد اور سنن بیہقی میں عن ابیہ نہیں ہے) عن ابن عباس کی سند سے کی ہے۔ ترمذیؒ نے فرمایا ہے: "یہ حدیث حسن صحیح ہے۔" حاکمؒ نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے اور ذہبیؒ نے اس کی تائید کی ہے۔

یہ سند محلِ نظر ہے۔ قابوس بن ابی ظبیان کا تذکرہ ذہبیؒ نے المیزان میں کیا ہے اور اس کے بارے میں ابن حبان سے یہ نقل کیا ہے: "اس کا حافظہ کمزور ہے۔ اپنے باپ سے بے اصل باتیں روایت کرتا ہے، چنانچہ کبھی مرسل کو مرفوع اور کبھی موقوف کو مسند بنا دیتا ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجرؒ نے التقریب میں اس کے بارے میں لکھا

ہے: اس میں کچھ کمزوری ہے۔(فیہ لین)''

غارِ ثور میں

(۲۰) امام احمدؒ فرماتے ہیں: ''مشرکین قدم کے نشانات دیکھتے ہوئے جبل ثور تک پہنچے۔ وہاں پہنچ کر انہیں کچھ سجھائی نہ دیا۔ وہ پہاڑ پر چڑھے اور اس غار کے پاس سے گزرے جس میں آں حضرت ﷺ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ چھپے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس کے دہانے پر مکڑی کا جالا دیکھا تو کہنے لگے: اگر کوئی اس کے اندر گیا ہوتا تو اس کے دہانے پر یہ جالا نہ ہوتا۔ آپ ﷺ نے اس غار میں تین راتیں گزاریں۔''

شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ''امام احمدؒ کی یہ روایت حسن ہے، اگرچہ سنن وصحاح میں یہ مذکور نہیں ہے۔'' اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''مسند احمد (حدیث نمبر ۳۲۵۱) میں یہ روایت عثمان الجزری سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام مقسمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے سن کر یہ روایت ان سے بیان کی ہے۔ مؤلف (شیخ غزالیؒ) نے اس سند کو حسن قرار دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس معاملے میں حافظ ابن کثیرؒ (البدایۃ ۳/۱۸۷-۱۸۸) کی پیروی کی ہے۔ ان کی پیروی کرنے والوں میں حافظ ابن حجرؒ (فتح الباری ۷/۱۸۷) بھی ہیں۔

لیکن اس روایت کو حسن قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ عثمان الجزری جو عمرو ابن ساج کے بیٹے ہیں، ان کے بارے میں عقیلی نے لکھا ہے: ''ان کی روایات اتنی ضعیف ہیں کہ ان کے لیے متابعات تلاش کرنے کی ضرورت نہیں (لا یتابع فی حدیثہ)'' اسی لیے حافظ ابن حجرؒ نے التقریب میں لکھا ہے: ''اس میں ضعف پایا جاتا ہے۔'' حافظ ابن کثیرؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے حسن بصریؒ کی روایت سے اس کی جو شاہد روایت ذکر کی ہے اس سے اس میں کچھ تقویت نہیں پیدا ہوتی، اس لیے کہ ایک تو وہ مرسل ہے، دوسرے اس کا ایک راوی بشار الخفاف بن موسیٰ ہے جس کے بارے میں

ابن معینؒ اور نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔ دیگر ماہرینِ رجال نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔"

آں حضرت ﷺ کی ہجرت کا چرچا

(۲۱) شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ بہت جلد آں حضرت ﷺ کے ہجرت کر جانے کی خبر دور دور تک پھیل گئی۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک روایت حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے بیان کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں: ہمیں کچھ پتا نہ تھا کہ آں حضرت ﷺ کہاں تشریف لے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ تین دنوں کے بعد زیریں مکہ سے ایک شخص آیا جو یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

جزى الله ربّ الناس خير جزائه　　رفيقين حلّا خيمتي أم معبد

هما نزلا بالبرّ ثم تروّحا　　فأفلح من أمسى رفيق محمد

"اللہ جو تمام انسانوں کا رب ہے، ان دو رفیقوں کو اچھا بدلہ دے جو ام معبد کے خیمے میں کچھ دیر کے لیے رکے تھے۔ انہوں نے وہاں پڑاؤ ڈالا، پھر وہاں سے چلے گئے۔ کامیاب ہوگیا وہ جسے محمد (ﷺ) کی رفاقت مل گئی۔"

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں: یہ اشعار سن کر ہمیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کدھر کا رخ کیا ہے اور ہم جان گئے کہ آپ مدینہ تشریف لے گئے ہیں۔

شیخ غزالیؒ فرماتے ہیں: "اس راویت میں یہ بھی ہے کہ یہ اشعار کہنے والا ایک جن تھا، اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ بعض اشعار کو جنوں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ان کے نزدیک ہر شاعر کے پاس ایک شیطان ہوتا تھا۔"

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

"اس روایت کی سند معضل ہے۔ اسے ابن اسحاقؒ (السیرۃ ۲/۴-۵) نے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ لوگوں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ یہ اشعار کہنے والا کون ہے؟ مگر انہیں صرف آواز سنائی دیتی تھی، کوئی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس سلسلے کے کچھ اشعار ابن ہشامؒ نے ابن اسحاقؒ کے علاوہ دوسرے ماخذ سے نقل کیے ہیں۔"

علامہ البانیؒ نے مزید لکھا ہے:

''اہلِ عرب اگر عہدِ جاہلیت میں اشعار کو جنوں کی طرف منسوب کرتے تھے اور شاعروں کے پاس شیطان ہونے کے قائل تھے تو عہد اسلامی میں ان کی جانب ایسی باتیں منسوب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ اشعار کہنے والا 'مومن' معلوم ہوتا ہے۔ اسے حضرت اسماءؓ ''جن'' یا ''شیطان'' قرار دیں گی، اس کی امید نہیں کی جاسکتی۔ یہ دُور از کار اور باطل تاویلات کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ اس کے بجائے شیخ غزالیؒ ایسی ضعیف روایت سے مطلقاً اعراض کرتے تو زیادہ بہتر تھا۔

یہ روایت ایک دوسری سند سے موصولاً بھی مروی ہے۔ اس کی تخریج حاکمؒ (۳/ ۱۰۹) نے ہشام بن حبیشؒ کے واسطے سے کی ہے اور اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے اور ذہبیؒ نے اس کی تائید کی ہے، حالاں کہ یہ محلِ نظر ہے۔ ہیثمیؒ (۶/ ۵۸) فرماتے ہیں: ''اس کی روایت طبرانیؒ نے کی ہے، اس کی سند میں متعدد راوی ایسے ہیں جنھیں میں نہیں جانتا'' (لم اعرفهم) لیکن اس روایت کی دو سندیں اور ہیں جنھیں حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ (۳/ ۱۹۲-۱۹۴) میں بیان کیا ہے۔ اس طرح ان تمام طرق سے یہ روایت درجۂ حسن تک پہنچ جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔''

مسجدِ نبویؐ کی تعمیر کے بعد پہلا خطبۂ جمعہ

(۲۲) مدینہ پہنچنے کے بعد آں حضرت ﷺ نے سب سے پہلے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ مل کر مسجد تعمیر کی۔ یہ مسجد اسی جگہ تعمیر کی گئی جہاں آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی۔ یہ جگہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی جو حضرت اسعد بن زرارہؓ کی کفالت میں تھے۔ آپ ﷺ نے اسے ان بچوں سے خرید کر اس میں مسجد تعمیر کرائی۔ آں حضرت ﷺ نے اس مسجد میں جو پہلا خطبۂ جمعہ دیا اس میں لوگوں کو آخرت سے ڈرایا۔ ان سے فرمایا کہ آخرت کے لیے ابھی سے تیاری کریں۔ وہاں ہر ایک کو فرداً فرداً اللہ کے حضور جانا ہے، اگر وہ تہی دست جائے گا تو وہاں دائیں، بائیں، آگے، جہنم کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا۔ شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اس خطبۂ جمعہ کی روایت بیہقیؒ نے حضرت عبدالرحمن

بن عوفؓ سے کی ہے۔ اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ غلط ہے۔ اسے بیہقیؒ نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح اس کی روایت حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ (۲۱۴/۳) میں کی ہے، پھر بتایا ہے کہ یہ مرسل ہے۔ ابن جریرؒ (۱۱۵/۲) نے ایک روایت صحیح سند کے ساتھ سعد بن عبدالرحمٰن الجمحی سے کی ہے جس میں مدینہ میں آں حضرت ﷺ کا پہلا خطبۂ جمعہ مذکور ہے، لیکن اس کا مضمون ابوسلمہؒ کی روایت میں مذکور مضمون سے قطعی مختلف ہے۔ ابوسلمہؒ کی روایت ضعیف ہے اس لیے کہ وہ معضل ہے۔ جمحیؒ تبع تابعین حضرات مثلاً ہشام بن عروہؒ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔''

آں حضرت ﷺ کی حضرت علیؓ سے مواخات

(۲۴) مدینہ پہنچ کر آں حضرت ﷺ نے دوسرا اہم کام یہ کیا کہ صحابۂ کرامؓ کے درمیان 'مواخات' کرائی، یعنی بعض صحابہ کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا۔ وہ ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے تھے، حتی کہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے:

''اس اخوت کی تفصیل یہ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اور حضرت علیؓ کے درمیان، حضرت حمزہؓ اور حضرت زیدؓ کے درمیان، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت خارجہؓ کے درمیان، حضرت عمرؓ اور حضرت عتبان بن مالکؓ کے درمیان مواخات کرائی۔ بعض علماء اس معاملے میں شک کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت علیؓ کے درمیان مواخات ہوئی تھی، لیکن صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا: ''تمہارا میرے نزدیک وہی مقام ہے جو ہارون علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا۔'' اس سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے۔ اس سے حضرت ابوبکرؓ کے مقام ومرتبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''ہرگز نہیں، مذکور صحیح روایت سے اس روایت کی تائید نہیں نکلتی۔ اخوت ثابت

کرنے کے لیے مخصوص نص کی ضرورت ہے۔اس موضوع کی روایات کا میں نے تتبع کیا تو پایا کہ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی کذاب راوی موجود ہے۔ان میں سب سے مشہور روایت وہ ہے جس کی تخریج ترمذیؒ (۳۲۸/۴) اور حاکمؒ (۱۴/۲) نے حکیم بن جبیر عن جمیع بن عمیر عن ابن عمر کی سند سے کی ہے۔اس میں ہے: "رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے درمیان مواخات کرائی تو حضرت علیؓ آئے، ان کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول آپ نے اپنے اصحاب کے درمیان مواخات کرادی، لیکن مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔" ترمذیؒ نے یہ روایت درج کرنے کے بعد فرمایا ہے: "یہ حدیث حسن غریب ہے۔" شارح مبارک پوری نے لکھا ہے: "حکیم بن جبیر ضعیف ہے، اس پر تشیع کا الزام ہے۔"

شارح مبارک پوریؒ اور ترمذیؒ دونوں سے اس روایت کی حقیقی علت مخفی رہ گئی۔اور وہ جمیع بن عمیر ہے۔ذہبیؒ نے اس کے بارے میں المیزان میں لکھا ہے: "ابن حبانؒ نے فرمایا ہے: وہ رافضی ہے، حدیثیں گھڑتا ہے۔" مزید فرمایا ہے: "عمیر سب سے جھوٹا آدمی تھا۔"

اس کی روایت سالم بن ابی حفیۃ الکاہلی نے بھی کی ہے۔اس کی تخریج حاکمؒ نے حکیم بن جبیر کی متابع روایت کی حیثیت سے کی ہے۔اس پر ذہبیؒ نے "التلخیص" میں لکھا ہے: "جمیع متہم ہے اور کاہلی ہلاک ہونے والا ہے۔" ابن ابی شیبہؒ اور موسیٰ بن ہارونؒ نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔دارقطنیؒ نے لکھا ہے: "اس کا شمار حدیثیں گھڑنے والوں میں ہوتا ہے۔"

اس موضوع کی بقیہ احادیث کی علتیں جاننے کے لیے رجوع کیجیے المجمع (۱۱۱/۹) اور اللآلی المصنوعۃ (۱۹۱، ۱۹۴، ۲۰۱)۔"

اذان کی مشروعیت

(۲۴) مدینہ آنے کے بعد صحابہؓ نمازوں کے اوقات کا اندازہ کرکے مسجد میں اکٹھا ہوتے

تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی خواہش ہوئی کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے لوگوں کو اطلاع ہو جایا کرے۔ بوق، جسے یہودی استعمال کرتے ہیں اور ناقوس پر بھی غور ہوا۔ اسی دوران ایک رات حضرت عبداللہ بن زیدؓ کو خواب میں پوری اذان سکھائی گئی۔ اگلی صبح انہوں نے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کیا۔ آں حضرت ﷺ نے اسے سچا خواب قرار دیا اور فرمایا: ''بلال کو سکھا دو، وہ اذان دیں، اس لیے کہ ان کی آواز تیز ہے۔'' ان کی اذان سن کر حضرت عمرؓ بھاگے ہوئے آئے اور خبر دی کہ انہوں نے بھی یہی اذان خواب میں دیکھی ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

اسی سیاق میں شیخ غزالیؒ فرماتے ہیں: ''زہری کہتے ہیں: ''حضرت بلالؓ نے صبح کی اذان میں دو مرتبہ الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا، اسے رسول اللہ نے باقی رکھا۔'' اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

> ''اس کی تخریج ابن ماجہؒ (۵۴۱/۱) نے زہریؒ سے ضعیف سند سے کی ہے۔ اسی کے مثل احمدؒ (۴۳/۴) نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے جو روایت کی ہے اس کی سند میں انقطاع ہے، لیکن اس حدیث کا معنیٰ صحیح ہے، اس لیے کہ اس کے بہت سے شواہد ہیں جن میں سے کچھ کو میں نے اپنی کتاب الثمر المستطاب فی فقہ السنۃ و الکتاب میں جمع کر دیا ہے۔ مثلاً حضرت انسؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ''صبح کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہا جاتا تھا۔'' اس کی تخریج دار قطنیؒ، طحاویؒ اور بیہقیؒ (۴۲۳/۱) نے کی ہے۔ بیہقیؒ فرماتے ہیں: ''اس کی سند صحیح ہے۔''
>
> علامہ البانیؒ مزید فرماتے ہیں:
>
> ''عہدِ نبویؐ میں فجر کے لیے دو اذانیں ہوتی تھیں، حضرت بلالؓ پہلی اذان دیا کرتے تھے۔ اس بنا پر روایت بالا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فجر کی پہلی اذان میں (نہ کہ دوسری میں) الصلوۃ خیر من النوم کہنا مسنون ہے۔ بعض روایات میں اس کی

صراحت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے: ''پہلی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم کہا جاتا تھا۔'' اس کی تخریج طحاویؒ (۸۲/۱) اور دیگر نے حسن سند سے کی ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے التلخیص (۱۶۹/۳) میں لکھا ہے۔ اس موضوع پر ابو محذورہؓ کی بھی ایک روایت ہے۔''

شیخ غزالیؒ نے اس سلسلے میں ایک اور روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی خواب میں اذان دیکھی۔ وہ صبح رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دینے کے لیے نکلے۔ اس سے پہلے نبی ﷺ کے پاس وحی آچکی تھی اور آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دے دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا خواب بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے بتانے سے پہلے وحی آچکی ہے۔'' اس روایت کے سلسلے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''اسے ابن ہشامؒ (۲۰/۲) نے ابن جریجؒ۔ عطاءؒ۔ عبید بن عمیر اللیثیؒ کی سند سے بیان کیا ہے۔ یہ منقطع ہونے کے ساتھ ساتھ مرسل بھی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ سے صحابہؓ کی محبت کا ایک نمونہ

(۲۵) صحابۂ کرامؓ کو آں حضرت ﷺ سے شدید محبت تھی۔ شیخ غزالیؒ نے روایات کی روشنی میں اس کی متعدد مثالیں بیان کی ہیں۔ ایک مثال رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ثوبانؓ کی ہے۔ انہیں آپ ﷺ سے اتنی محبت تھی کہ اگر کچھ عرصہ آپ ﷺ کو نہ دیکھتے تو بے چین ہو جاتے تھے۔ ایک دن وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس حال میں آئے کہ ان کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا اور اس پر غم کی پرچھائیاں تھیں۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا: تمہارے چہرے کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی مرض ہے نہ کوئی تکلیف۔ بس میں نے آپ کو کچھ دیر سے نہیں دیکھا تو سخت بے چینی ہوئی اور آپ کے دیدار کی شدید خواہش ہوئی۔ میں سوچتا ہوں کہ آخرت میں آپ کے دیدار سے محروم ہو جاؤں گا۔ اس لیے کہ آپ تو جنت میں انبیاء کے ساتھ اعلیٰ العلّیین میں ہوں گے اور مجھے اگر جنت نصیب ہوئی تو بھی میں آپ سے نچلے درجے میں ہوں گا اور اگر جنت سے محروم رہا تب تو کبھی آپ کا دیدار نصیب نہ

ہوگا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَ مَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ۝

(النساء:٦٩)

''جولوگ اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین، کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔''

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''اسے واحدیؒ نے اسباب النزول (ص۲۲) میں کلبی سے تعلیقاً روایت کیا ہے۔ اولاً یہ روایت معضل ہے۔ ثانیاً کلبی کذاب ہے، لیکن اس کی روایت طبرانیؒ نے المعجم الصغیر (ص۱۲) میں کی ہے اور ان کی سند سے ابونعیمؒ نے الحلیۃ (۳۲۵/۷) میں روایت کی ہے اور ان سے واحدیؒ (ص۱۲۳)، ابن مردویہؒ اور مقدسیؒ (صفة الجنة) نے حضرت عائشہؓ کی حدیث سے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔اس میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد: ''تمہارے چہرے کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟'' نہیں ہے۔ مقدسیؒ فرماتے ہیں: ''میں اس کی سند میں کوئی کمزوری نہیں پاتا (لا أرى باسناده بأساً)'' اس کی ایک شاہد روایت حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور دوسری حضرت سعید بن جبیر وغیرہ کی مرسل روایت ہے۔ انہیں حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ (۵۵۲/۱-۵۵۳) میں ذکر کیا ہے۔

شمائلِ نبویؐ

(۲٦) شیخ غزالیؒ نے رسول اکرم ﷺ کے خصائل وشمائل پر ایک طویل روایت نقل کی ہے کہ حضرت حسن بن علیؓ نے حضرت ہند بن ابی ہالہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف دریافت کیے تو انہوں نے بہت تفصیل سے آپ ﷺ کی جسمانی ہیئت، چال ڈھال، رہن سہن کا طریقہ،

اندازِ گفتار اور آپ ﷺ کی مجلس کے اصول بیان کیے۔ اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ ضعیف حدیث ہے۔ اس کی تخریج ترمذیؒ نے شمائل (۳۸/۱) میں جمیع بن عمرو بن عبدالرحمٰن العجلیؒ سے کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: مجھ سے بنو تمیم کے ایک شخص نے جو ابوہالہ (حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر) کے خاندان سے تھا اور اس کی کنیت ابوعبداللہ تھی، ابوہالہ کے ایک بیٹے سے اور اس نے حضرت حسن بن علیؓ سے روایت کی۔ یہ ضعیف سند ہے۔ اس میں ایک راوی جمیع بن عمرو ضعیف ہے۔ اس کے بارے میں ابوداؤدؒ فرماتے ہیں: ''میرا گمان ہے کہ کہیں وہ کذاب نہ ہو'' اور ابوعبداللہ تمیمی مجہول ہے، جیسا کہ التقریب میں مذکور ہے اور ابوہالہ کے لڑکے کا نام ہند ہے۔ ان کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ ابن ابی حاتمؒ (۱۷۷/۲/۴) نے ان کا تذکرہ کیا ہے، لیکن ان کی جرح کی ہے نہ تعدیل۔ حافظ ابن حجرؒ نے التہذیب میں ان کے باپ ابوہالہ کے تذکرہ میں اس روایت کے بارے میں ابوداؤدؒ کا یہ تبصرہ نقل کیا ہے: ''میرا گمان ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔'' بخاری نے بھی اشارہ کیا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ (ملاحظہ کیجئے الجرح والتعدیل میں ہند بن ابی ہالہ کا تذکرہ اور اس پر تبصرہ)''

تیر اندازی کی فضیلت

(۲۷) شیخ غزالیؒ نے عسکری تیاری اور اس سلسلے میں تیر اندازی کی فضیلت پر کئی احادیث نقل کی ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اللہ عزوجل ایک تیر کے بدلے تین افراد کو جنت میں داخل کرتا ہے۔ ایک اس کا بنانے والا جو نیک مقصد سے اسے بنائے، دوسرا اسے چلانے والا اور تیسرا اسے اٹھا کر دینے والا۔ تیر اندازی اور شہ سواری کی مشق کرو۔ مجھے شہ سواری کے مقابلے میں تیر اندازی زیادہ پسندیدہ ہے۔ ہر طرح کا لہو باطل اور غیر پسندیدہ ہے سوائے

تین کاموں کے: آدمی کو اپنے گھوڑے کا سدھانا، اپنے گھر والوں کے ساتھ خوش طبعی کرنا اور اپنی کمان سے تیر چلانے کی مشق کرنا۔ جس شخص نے تیر اندازی میں مہارت حاصل کرنے کے بعد اس سے بے رغبت ہو کر اس کی مشق چھوڑ دی اس نے اس نعمت کی ناشکری کی۔"

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''اس کی سند میں اضطراب ہے، جیسا کہ حافظ عراقیؒ نے ''تخریج الاحیاء'' (۲۵۲/۶) میں فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کی روایت عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر نے عن أبي سلام عن خالد بن زید عن عقبہ کی سند سے کی ہے۔ اس کی تخریج ابوداؤد (۳۹۳/۱-۳۹۴)، نسائی (۱۲۰/۲)، حاکم (۹۵/۲) اور احمدؒ (۱۴۶/۴، ۱۴۸) نے کی ہے۔ اس کے برخلاف یحییٰ بن ابی کثیرؒ نے دوسری سند (عن أبي سلام عن عبداللہ بن الأزرق عن عقبہ بن عامر) سے اس کی روایت کی ہے۔ اس کی تخریج ترمذیؒ (۶/۳)، ابن ماجہؒ (۱۸۸/۲) اور احمدؒ (۱۴۴/۴، ۱۴۸) نے کی ہے۔ ترمذیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔ حاکمؒ نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے اور ذہبیؒ نے اس کی تائید کی ہے۔ یہ حضرات اس اضطراب سے واقف نہ ہو سکے جس کی نشان دہی حافظ عراقیؒ نے کی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں ایک دوسری علت بھی ہے اور وہ ہے خالد بن زید اور عبداللہ بن الأزرق (جو درحقیقت عبداللہ بن زید بن الأزرق ہیں) کا غیر معروف ہونا۔ بہر حال یہ روایت دونوں سندوں سے جہالت کی بنا پر علت سے خالی نہیں۔ ہاں حاکم نے ایک دوسری روایت بطور شاہد ذکر کی ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اور اس کے بارے میں لکھا ہے: ''یہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے''، لیکن اس پر ذہبیؒ نے نقد کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں سوید بن عبدالعزیز ہے جو متروک ہے۔''

سریۂ عبداللہ بن جحشؓ

(۲۸) مدینہ میں مسلمانوں کو استقرار ملنے کے بعد آں حضرت ﷺ نے مختلف سرایا بھیجے

جو مکہ اور شام کے درمیان تجارتی سفر کرنے والے قافلوں، اطراف میں رہنے والے قبائل اور قریش کی سرگرمیوں پر نظر رکھتے تھے۔ ایسا ہی ایک سریہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی سربراہی میں رجب ۲ھ میں بھیجا۔ قریش کے ایک تجارتی قافلے کی اس سریہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے اس پر حملہ کرکے قریش کے ایک شخص کو قتل اور دو کو گرفتار کرلیا۔ جب یہ سریہ واپس آیا تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا: میں نے تو تم لوگوں کو ماہ حرام میں جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ اس واقعہ کی بنیاد پر مشرکین نے مسلمانوں پر الزام لگایا کہ انہوں نے ماہ حرام میں جنگ کرکے اس کی پامالی کی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (البقرة:٢١٧)

''لوگ پوچھتے ہیں: ماہِ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ کہو اس میں لڑنا بہت برا ہے۔ مگر راہ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برا ہے اور فتنہ خوں ریزی سے شدید تر ہے۔''

اس سلسلے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''اس کا تذکرہ ابن ہشامؒ (۲/۵-۶) نے ابن اسحاقؒ کے واسطے سے کیا ہے۔ ابن اسحاقؒ نے آخر میں لکھا ہے: اسے زہریؒ اور یزید بن رومانؒ نے عروۃ بن الزبیرؒ سے روایت کیا ہے۔ اس کی روایت بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ (۹/۱۲) میں صحیح سند سے عن الزہری عن عروۃ مرسلاً کی ہے، لیکن انہوں نے پورا واقعہ نہیں بیان کیا ہے، بلکہ اس کا صرف ایک حصہ روایت کیا ہے۔ بیہقیؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے سلیمان التیمی عن الحضرمی عن ابی السوار عن جندب بن ابی عبداللہ کی سند سے یہ روایت موصولاً کسی قدر مختصر ذکر کی ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نہیں ہے: ''میں نے تم لوگوں کو ماہ حرام میں جنگ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا'' اس کی سند صحیح ہے اگر حضرمی سے مراد

حضرمی بن لاحق ہے اور اگر یہ کوئی اور ہے، جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے، تو وہ مجہول ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے التہذیب میں اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ (حضرمی) کوئی اور ہے۔ واللہ اعلم۔ البتہ بیہقیؒ نے السنن میں دوسرے مقام (۹/۵۸-۵۹) پر عروہ کی روایت مکمل ذکر کی ہے۔"

غزوۂ بدر میں میدانِ جنگ کی ترتیب کے سلسلے میں حضرت حبابؓ کا مشورہ

(۲۹) غزوۂ بدر کے موقع پر مسلمانوں نے میدانِ جنگ کے سب سے قریبی چشمے پر پڑاؤ ڈالا۔ اس پر حضرت حباب بن منذرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اگر آپ ﷺ نے یہاں پڑاؤ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ڈالا ہے تب تو ٹھیک ہے، لیکن اگر جنگی حکمت عملی کے طور پر ایسا کیا ہے تو یہاں پڑاؤ درست نہیں، بلکہ ہمیں چاہئے کہ دشمنوں کے سب سے قریب واقع چشمے پر پڑاؤ ڈالیں، دوسرے کنوؤں کو برباد کردیں اور اپنے کنویں پر حوض بنا کر اسے پانی سے بھرلیں۔ اس طرح جنگ کے دوران ہمارے پاس پینے کے لیے پانی ہوگا، جب کہ دشمن اس سے محروم رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ تجویز پسند آئی، چنانچہ اس کے مطابق عمل کیا گیا۔

اس واقعہ کے سلسلے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

"اس کی روایت ابن ہشامؒ (۲/۶۶) نے ابن اسحاقؒ سے اور انہوں نے قبیلۂ بنوسلمہ کے بعض لوگوں سے کی ہے۔ یہ ضعیف سند ہے۔ اس لیے کہ اس میں ابن اسحاق اور بنوسلمہ کے بعض افراد کے درمیان کا واسطہ نامعلوم ہے۔ اس کی روایت حاکمؒ (۳/۴۲۶-۴۲۷) نے موصولاً کی ہے، لیکن اس کی سند میں بعض راوی ایسے ہیں جنہیں میں نہیں جانتا۔ ذہبیؒ نے التلخیص میں لکھا ہے: "یہ حدیث منکر ہے اور اس کی سند کمزور ہے۔" اس کی روایت امویؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے، جیسا کہ البدایۃ (۳/۱۶۷) میں مذکور ہے، لیکن اس کی سند میں کلبی ہے جو کذاب ہے۔

حضرت عبیدہ بن الحارثؓ کی شہادت

(۳۰) غزوۂ بدر میں جنگ کا آغاز اس طرح ہوا کہ مشرکین قریش میں سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نے دعوت مبارزت دی۔ ان سے مقابلہ کے لیے اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عبیدہ بن حارثؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ کو بھیجا۔ حضرت حمزہؓ نے شیبہ کو اور حضرت علیؓ نے ولید کو قتل کر دیا۔ حضرت عبیدہؓ اور عتبہ دونوں نے ایک دوسرے کو زخم پہنچائے۔ چنانچہ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے پلٹ کر اس کا کام تمام کر دیا اور حضرت عبیدہؓ کو اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے۔ آپ ﷺ نے انہیں اپنے قدموں میں لے لیا۔ انہوں نے اپنا رخسار آپ ﷺ کے قدم مبارک پر رکھا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر ابو طالب مجھے اس حال میں دیکھ لیتے تو جان لیتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں:

و نُسلِمُه حتی نُصرَّع دونه　　　و نذهل عن أبنائنا و الحلائل

''ہم انہیں (یعنی حضرت محمد ﷺ کو) اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں گے جب ان کے گرد لڑ کر مر جائیں اور ہم اپنے بچوں اور بیویوں سے بھلا دیے جائیں۔''

یہ کہتے ہوئے ان کی روح پرواز کر گئی۔

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''اسے ابن کثیرؒ (۲۷۴/۳) نے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی روایت شافعیؒ نے کی ہے۔ کس سے کی ہے؟ یہ مذکور نہیں ہے۔ اسی کے مثل حاکمؒ (۱۷۸/۳) نے ابن شہابؒ سے مرسلاً روایت کیا ہے، لیکن اس میں یہ جملہ نہیں ہے: ''یہ کہتے ہوئے ان کی روح پرواز کر گئی۔'' اس اضافہ کے ضعف پر اس سے دلالت ہوتی ہے کہ حاکمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبیدہ بن الحارثؓ کا انتقال بدر سے واپسی پر مقام صفراء میں ہوا۔ وہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کی تدفین فرمائی۔ اس روایت کی سند حسن ہے۔ حاکمؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبیؒ نے اس کی تائید کی ہے۔''

دونو جوان صحابہؓ کے ہاتھوں ابوجہل کا قتل

(۳۱) غزوۂ بدر میں دونو جوان صحابہ حضرت معاذؓ اور حضرت معوذؓ کے ہاتھوں ابوجہل جہنم رسید ہوا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرماتے ہیں: ''غزوۂ بدر کے موقع پر میں صف میں کھڑا ہوا تھا کہ اچانک دونو جوان میرے دائیں بائیں آکر کھڑے ہو گئے۔ دونوں نے الگ الگ چپکے سے مجھ سے پوچھا: چچا جان ابوجہل کہاں ہے؟ میں نے دریافت کیا: کیا کرو گے؟ ہر ایک نے کہا: میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ یا تو اسے قتل کر دوں گا یا اسی راہ میں اپنی جان دے دوں گا۔ میں نے ایک جانب اشارہ کیا۔ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور اس پر ایسا وار کیا کہ وہ زمین پر ڈھیر ہو رہا۔''
شیخ غزالیؒ نے آگے لکھا ہے کہ یہ دونوں نو جوان اس غزوہ میں شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ ان کی نعشوں کے پاس کھڑے ہوئے، ان کے لیے دعا کی اور ان کے کارنامے کا ذکر خیر فرمایا۔

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

> ''اتنی قطعیت کے ساتھ ان دونوں نو جوانوں کو اس غزوہ میں شہید قرار دینا کھلی غلطی ہے، اس لیے کہ یہ واقدی کی روایت ہے جو بلا سند مذکور ہے۔ جیسا کہ ابن کثیرؒ (۲۸۹/۳) نے بیان کیا ہے۔ اگر اس کی سند مذکور ہوتی اور اس کے راوی ثقہ ہوتے تو بھی یہ روایت صحیح نہ ہوتی، اس لیے کہ واقدی متہم بالکذب ہے۔ اس روایت کے ضعیف ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت معاذؓ بن عمرو کی وفات حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوئی تھی، جیسا کہ امام بخاریؒ اور دیگر حضرات نے صراحت سے بیان کیا ہے۔ (ملاحظہ کیجئے ابن ہشام ۷۲/۲)''

عتبہ کی ہلاکت پر حضرت ابوحذیفہؓ کی افسردگی

(۳۲) غزوۂ بدر میں باپ بیٹے، بھائی بھائی اور دیگر رشتہ دار آمنے سامنے تھے۔ ایک مثال عتبہ بن ربیعہ اور اس کے صاحب زادے حضرت ابوحذیفہؓ کی ہے۔ عتبہ، جو قریش کے سرداروں میں سے تھا، اس نے سب سے پہلے مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی تھی اور مارا گیا تھا۔

حضرت ابوحذیفہؓ جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ جب عتبہ کی لاش کھینچ کر لائی گئی اور اسے کنویں میں ڈال دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوحذیفہؓ کو افسردہ دیکھا، ان کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا: اے ابوحذیفہ! کیا بات ہے؟ تمہارے باپ کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے کیا اس سے تمہیں تکلیف پہنچی ہے؟ حضرت ابوحذیفہؓ نے عرض کیا: نہیں اے اللہ کے رسول! بات یہ ہے کہ میں اپنے باپ کو صاحبِ رائے، حلیم اور صاحبِ فضل سمجھتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اسے اسلام لانے کی توفیق مل جائے گی۔ مگر اس کی موت حالتِ کفر پر ہوئی، اس کا مجھے رنج ہوا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی اور ان کے حق میں کلماتِ خیر کا اظہار فرمایا۔

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ ضعیف روایت ہے، اسے ابن ہشامؒ (۲/۷۵) نے ابن اسحاقؒ سے بلاغاً روایت کیا ہے۔''

مشرکین کی لاشوں سے نبی ﷺ کا خطاب

(۳۳) رسول اللہ ﷺ کے حکم سے مشرکین کی لاشوں کو کنویں میں ڈال دیا گیا۔ روایت میں ہے کہ ''جب آپ ﷺ نے ان کی لاشوں کو دیکھا تو ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''تم لوگ اپنے نبی کے برے رشتہ دار اور اہل خاندان نکلے۔ تم نے مجھے جھٹلایا، دوسروں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے نکالا، دوسروں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے مجھ سے جنگ کی، دوسروں نے میری مدد کی۔''

اس روایت کے سلسلے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ ضعیف حدیث ہے۔ اس کی روایت ابن ہشامؒ (۲/۷۴) نے ابن اسحاقؒ سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''مجھ سے بعض اہل علم نے بیان کیا۔'' اس کی سند معضل ہے۔ اس کی روایت احمدؒ (۶/۱۷۰) نے ابراہیم عن عائشہ کی سند سے مرفوعاً کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ''اللہ تمہیں برا بدلہ دے جو وہ کسی نبی کی قوم کو دے سکتا ہے۔ تم نے بڑے ناشائستہ طریقے سے مجھے نکالا اور بری طرح مجھے جھٹلایا۔'' اس کے راوی

ثقہ ہیں، لیکن اس میں ابراہیمؒ (نخعی) اور حضرت عائشہؓ کے درمیان انقطاع ہے۔''

عبداللہ بن ابی کی جانب سے یہودِ بنی قینقاع کی حمایت

(۳۴) یہودِ بنی قینقاع کی بدعہدی اور شرارت آمیز حرکتوں کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے شوال ۲ ھ میں ان کا محاصرہ کرلیا۔ بالآخر وہ اس بات پر راضی ہوگئے کہ آپ ﷺ ان کے بارے میں جو بھی فیصلہ کریں گے وہ انہیں منظور ہوگا۔ اس موقع پر منافق عبداللہ بن ابی ان کی حمایت میں کھل کر سامنے آگیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بضد ہوگیا کہ آپ ﷺ ان کے ساتھ اچھا معاملہ کریں۔ کہنے لگا: ''یہ چار سو بغیر زرہ کے اور تین سو زرہ پوش ہیں جنہوں نے ہر کس و ناکس سے میری حفاظت کی ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ ایک ہی دن ان کے سر قلم کردیں۔ اللہ کی قسم مجھے تو ڈر ہے کہ اس حرکت سے آپ مصیبتوں کا شکار نہ ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے، تمہارے کہنے سے میں انہیں چھوڑ دے رہا ہوں۔

شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی کے اسی رویے پر یہ آیت نازل ہوئی:

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ (المائدہ: ۵۲)

''تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ انہی میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمیں ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ کسی مصیبت کے چکر میں نہ پھنس جائیں، مگر بعید نہیں کہ اللہ جب تمہیں فیصلہ کن فتح بخشے گا، یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے گا تو یہ لوگ اپنے اس نفاق پر، جسے یہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں، نادم ہوں گے۔''

اس سلسلے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''اس روایت کو ابن اسحاقؒ (۱۲۱/۲) نے عبادۃ بن الولید بن عبادۃ بن الصامتؓ سے اور ابن جریرؒ نے عطیہ العوفیؒ اور زہریؒ سے نقل کیا ہے۔ یہ سب مرسل

روایتیں ہیں۔ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر (۶۸/۲) میں اشارہ کیا ہے کہ اس آیت (المائدہ:۵۲) کے عبداللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہونے کی روایت ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔"

غزوۂ احد میں ابی بن خلف کا حشر

(۳۵) غزوۂ احد میں مسلمانوں کی ایک غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور وہ جیتی ہوئی جنگ ہارنے لگے۔ بہت سے مسلمان شہید ہوگئے۔ خود رسول اللہ ﷺ کا روئے انور زخمی اور خون آلود ہوگیا۔ ایک موقع پر ایک مشرک ابی بن خلف الجمحی آں حضرت ﷺ کے بہت قریب پہنچ گیا۔ وہ موقع غنیمت جانتے ہوئے آپ ﷺ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ان شاء اللہ میں ہی اسے قتل کردوں گا۔ آپ ﷺ نے ایک نیزہ لیا اور جب وہ بہت قریب آگیا تو وہ نیزہ اس کے مارا۔ اس کا اس نے اتنا اثر محسوس کیا کہ بیل کی طرح ڈکارنے لگا۔ پھر ایک دن سے کم مدت میں اس کی موت ہوگئی۔

اس واقعہ کے سلسلے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

"ابن جریرؒ نے اپنی تاریخ میں اس کی روایت سدی سے مرسلاً کی ہے، جیسا کہ البدایہ (۳۲/۴) میں مذکور ہے۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: "یہ روایت بہت غریب ہے اور اس میں نکارت پائی جاتی ہے۔" جہاں تک اس بات کا سوال ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ابی بن خلف کو قتل کیا ہے تو اس کی دو شاہد روایتیں موجود ہیں۔ ایک ابوالاسود عن عروۃ بن الزبیر اور دوسری زہری عن سعید بن المسیب مروی ہے، جیسا کہ البدایہ (۳۲/۴) میں مذکور ہے، لیکن یہ دونوں روایتیں مرسل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو پہنچنے والی جراحت

(۳۶) غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ بھی زخمی ہوگئے تھے۔ خود کے کئی حلقے آپ کے چہرۂ مبارک میں دھنس گئے تھے۔ حضرت ابوعبادہؓ نے جھک کر انہیں اپنے دانتوں سے پکڑ کر

نکالنے کی کوشش کی۔ وہ گوشت میں اتنے اندر تک پیوست ہو گئے تھے کہ انہیں نکالنے کی کوشش میں حضرت ابوعبادہؓ کے دو دانت ٹوٹ گئے۔

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''اسے ابن ہشامؒ (۱۳۵/۲-۱۳۶) نے اسحاق بن یحییٰ بن طلحہ عن عیسیٰ بن طلحہ عن عائشہ بنت ابی بکرؓ روایت کیا ہے۔ اس کی روایت طیالسیؒ (۹۹/۲۱) اور حاکمؒ (۲۶/۸-۲۸) نے موصولاً کی ہے۔ حاکمؒ نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے، لیکن ذہبیؒ نے کہا ہے کہ اسحاق متروک ہے۔ اسی طرح ہیثمیؒ (۱۱۲/۱۶) نے بزارؒ کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کی روایت کی ہے۔''

حضرت سعد بن الربیعؓ کی شہادت

(۳۷) غزوۂ احد کے شہداء میں حضرت سعد بن الربیعؓ بھی تھے۔ شیخ غزالیؒ نے ابن اسحاقؒ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون جا کر دیکھ آئے گا کہ سعد بن الربیعؓ کس حال میں ہیں؟ ایک انصاری صحابی اس کے لیے تیار ہوئے۔ جا کر دیکھا تو انہیں زخمیوں میں پایا۔ وہ جان کنی کی حالت میں تھے۔ ان کے پاس جا کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کا حال دریافت کروایا ہے۔ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کو میرا سلام پہنچا دو اور میری طرف سے کہو کہ اللہ آپ ﷺ کو ہماری طرف سے اچھا بدلہ دے اور اپنی قوم کو میرا سلام پہنچا دو اور میری طرف سے کہو کہ اگر تمہارے جیتے جی دشمن آں حضرت ﷺ تک پہنچ گئے تو اللہ کی بارگاہ میں تمہارا کوئی عذر قابلِ قبول نہ ہوگا۔''

اس حدیث کے سلسلے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''ابن اسحاقؒ نے اس کی تخریج محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ المازنی کی سند سے کی ہے، ان سے سماعت کی صراحت کی ہے اور اسے مرفوعاً روایت کیا ہے، جیسا کہ سیرتِ ابن ہشام (۱۴۰/۲-۱۴۱) میں مذکور ہے۔ یہ معضل سند ہے۔ حاکمؒ (۲۰۱/۳) نے اس کی روایت محمد بن اسحاق عن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن

ابی صعصعۃ عن ابیہ کی سند سے مرفوعاً کی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس سند میں محمد بن اسحاق اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن کے درمیان ایک راوی (محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن) کا نام ساقط ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ ماہرینِ رجال نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کرنے والوں میں محمد بن اسحاق کا نام ذکر نہیں کیا ہے۔ اس بنا پر یہ حدیث مرسل ہوئی۔ اسی وجہ سے ذہبیؒ نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن تابعی ہیں اور ان کے والد عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہؓ صحابی ہیں۔ اگر حاکم کی سند سے ایک راوی نہ گرتا تو حدیث متصل ہوتی اور ذہبیؒ اس کے مرسل ہونے کی علت نہ بیان کرتے۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث کی روایت امام مالکؒ نے مؤطا (۲۱/۲) میں یحییٰ بن سعیدؒ سے کی ہے، لیکن اس کی سند معضل ہے۔ سیوطیؒ نے ''تنویر الحوالک'' میں ابن عبدالبرؒ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں: ''یہ حدیث مجھے یاد نہیں، اس سے میں واقف نہیں (لا أحفظ و لا اعرفہ) البتہ یہ اہل سیر کے نزدیک مشہور و معروف ہے۔''

اس کی روایت حاکمؒ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احد کے موقع پر سعد بن الربیعؓ کا حال معلوم کرنے کے لیے مجھے بھیجا تھا...... '' اس روایت کو حاکمؒ نے صحیح الاسناد قرار دیا ہے اور ذہبیؒ نے اس کی تائید کی ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ابوصالح عبدالرحمٰن بن عبداللہ الطویل ہے۔ ان کے حالات مجھے اب تک نہیں مل سکے۔''

سریۂ ابوسلمہؓ

(۳۸) غزوۂ احد کے اگلے سال قبیلۂ بنواسد نے مدینہ پر حملے کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے حضرت ابوسلمہؓ کی قیادت میں ایک سریہ بھیجا جو ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل تھا۔ حضرت ابوسلمہؓ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دشمن کے علاقے میں پہنچ کر حملہ کیا، انہیں منتشر کر دیا اور ان کے جانور ہانک لائے۔

علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''اس سریہ کا تذکرہ ابن کثیرؒ (البدایہ ۴/۶۱-۶۲) نے واقدی کی سند سے کیا ہے جو معضل ہے اور واقدی متروک ہے۔''

بنو نضیر کی جلاوطنی

(۳۹) یہود کا ایک دوسرا قبیلہ بنو نضیر تھا جو مدینہ کے مضافات میں آباد تھا اور اس سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا۔ ایک موقع پر دیت کے ایک معاملے میں رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کے ساتھ ان کے پاس گئے کہ ان سے کچھ مالی تعاون حاصل کریں۔ اس موقع پر انہوں نے سازش کی کہ آں حضرت ﷺ جس جگہ کھڑے ہوئے تھے اوپر سے ایک بڑا پتھر گرادیں۔ وحی الٰہی سے آپ کو اس کی خبر ہوگئی، آپ بغیر کسی کو کچھ بتائے وہاں سے مدینہ تشریف لے آئے۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے قبیلۂ بنو نضیر کو جلاوطن کرنے کا حکم دے دیا۔ آپ ﷺ نے انہیں دس دن کی مہلت دی اور فرمایا کہ اس کے بعد اس قبیلہ کا کوئی فرد اگر یہاں پایا گیا تو اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔

اس واقعہ کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''اس کی روایت ابن سعدؒ نے الطبقات الکبریٰ میں غزوۂ بنی النضیر کے زیر عنوان بغیر سند کے کی ہے۔ لیکن ابن کثیرؒ (۴/۳۱۲) کے بیان کے مطابق بیہقیؒ نے اس کی روایت اپنی سند سے حضرت محمد بن مسلمہؓ سے کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بنو نضیر کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ انہیں صرف تین دن کی مہلت دیں۔ اس سند میں تمام راوی ثقہ ہیں سوائے محمود بن مسلمہ کے۔ ابن ابی حاتمؒ (۴/۲۹۰۱) نے ان کا تذکرہ کیا ہے، لیکن ان کے بارے میں جرح کی ہے نہ تعدیل۔ اس لیے ان کا شمار مجہول لوگوں میں ہوگا۔''

غزوۂ بنی المصطلق

(۴۰) رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ قبیلۂ بنی المصطلق مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے

خفیہ طریقے سے بڑے پیمانے پر تیاری کر رہا ہے۔ آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے نکلے اور انہیں مریسیع نامی چشمے پر جا لیا۔ شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے سامنے اسلام پیش کریں۔ حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے اعلان کیا: ''لوگو! لا الہ الا اللہ کہہ دو، اس طرح تم اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لو گے۔'' ان لوگوں نے انکار کیا، چنانچہ دونوں طرف سے تیر اندازی شروع ہو گئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو ایک ساتھ حملہ کرنے کا حکم دیا۔ پورا قبیلہ گرفتار ہوا۔ ان میں سے دس افراد مارے گئے، مسلمانوں میں سے صرف ایک شہید ہوا، وہ بھی غلطی سے۔

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

> ''اسی سے ملتے جلتے الفاظ میں ابن جریرؒ نے اپنی تاریخ (۲/۲۶۰-۲۶۲) میں ابن اسحاقؒ کی سند سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ اسی طرح اس کی روایت ابن ہشامؒ نے السیرۃ (۲/۲۱۶-۲۱۸) میں کی ہے۔ یہ سند ضعیف ہے اور اس میں حضرت عمرؓ کے، اہل قبیلہ کے سامنے اسلام پیش کرنے کا تذکرہ نہیں ہے۔ زرقانیؒ نے المواہب (۲/۹۷) میں اس اضافہ کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کی بات صحیح ہے۔ ابن قیمؒ نے زاد المعاد (۲/۱۵۸) میں پہلے اس غزوہ میں قتال ہونے کا تذکرہ کیا ہے، پھر لکھا ہے: ''عبدالرحمٰن بن خلف نے اپنی سیرت میں اور بعض دیگر حضرات نے یہی بات لکھی ہے، لیکن یہ وہم ہے، اس لیے کہ اس غزوہ میں قتال کی نوبت نہیں آئی تھی۔ آں حضرت ﷺ نے مریسیع نامی چشمے پر اس قبیلے پر اچانک حملہ کر کے ان کو گرفتار کر لیا تھا اور ان کے اموال پر قبضہ کر لیا تھا، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ کیجیے فتح الباری ۷/۳۴۶۔''

حضرت جویریہؓ سے آں حضرت ﷺ کا نکاح

(۴۱) شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ قبیلۂ بنی المصطلق کے قیدیوں میں سردار قبیلہ حارث بن

ضرار کی صاحب زادی جویریہ بھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان قیدیوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا چاہا، چنانچہ بعد میں جب حارث رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی صاحب زادی واپس مانگی تو آپ ﷺ نے انہیں واپس کر دیا، پھر پیغام دے کر ان سے نکاح کر لیا۔ اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ صحیح نہیں ہے۔ اس کی طرف ابن ہشامؒ نے اپنی سیرت (۳۶۷/۱) میں اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے اس روایت کو بغیر سند کے ذکر کیا ہے۔ اس کے شروع میں ''کہا جاتا ہے'' درج کیا ہے اور اسے بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: ''صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سے بدلِ مکاتبت ادا کر کے ان سے نکاح کیا تھا، ان کے باپ کو نکاح کا پیغام نہیں دیا تھا، اس لیے کہ وہ قیدی تھیں، جیسا کہ ابن اسحاقؒ نے صحیح سند سے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ انہی کی سند سے احمدؒ (۲۷۷/۶) اور ابن ہشامؒ (۲۱۸/۲-۲۱۹، ۳۶۷) نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔''

غزوۂ بنی المصطلق اور واقعۂ افک کا زمانہ

(۴۲) شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے:

''مؤلفینِ سیرت واقعۂ افک اور غزوۂ بنی المصطلق کا زمانہ غزوۂ خندق کے بعد قرار دیتے ہیں۔ لیکن ہم نے ابن قیمؒ کی متابعت کرتے ہوئے اسے غزوۂ خندق سے قبل ۵ ھ کے واقعات میں شمار کیا ہے۔ تحقیق سے ابن قیم کا نقطۂ نظر صحیح معلوم ہوتا ہے۔ حضرت سعد بن معاذؓ غزوۂ خندق کے موقع پر شہید ہو گئے تھے۔ اور غزوۂ بنی المصطلق کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ منافق عبداللہ بن ابی نے اس غزوہ کے دوران جو فتنہ برپا کرنے کی کوشش کی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اس کا شکوہ حضرت سعد بن معاذؓ سے کیا تھا۔ اس لیے اگر غزوۂ بنی المصطلق کو ۶ ھ میں مانا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ حضرت سعد بن معاذؓ غزوۂ خندق میں شہید ہونے کے بعد پھر غزوۂ بنی المصطلق میں شریک ہوں۔''

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ فاضل مؤلف کا وہم یا سبقتِ قلم ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی کا شکوہ حضرت سعد بن معاذؓ سے نہیں، بلکہ حضرت اسید بن حضیرؓ سے کیا تھا، جیسا کہ سیرت ابن ہشام (۲/۲۱۷) میں ہے۔ پھر یہ کہ اس روایت کی سند مرسل ہے، اس لیے وہ قابلِ حجت نہیں۔ اس سلسلے میں متعدد باتیں ایسی ہیں جو ابن قیمؒ کے نقطۂ نظر کی تائید کرتی ہیں۔ اس کے لیے ملاحظہ کیجئے فتح الباری ۲/۳۴۵''

خندق کی کھدائی کے دوران کا ایک واقعہ

(۴۳) غزوۂ احزاب کے موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کے ساتھ مل کر مدینہ کے اطراف میں ایک خندق کھودی جس سے حملہ آوروں سے مدینہ کی حفاظت ہو جائے۔ شیخ غزالیؒ نے حضرت عمرو بن عوفؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ کھدائی کے دوران ایک بڑا سفید پتھر آ گیا جو ہم لوگوں سے ٹوٹ نہیں رہا تھا۔ حضرت سلمانؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ آپ تشریف لائے، کدال ہاتھ میں لی اور اس پتھر پر تین ضربیں ایسی لگائیں کہ وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''پہلی ضرب پر جو چمک ہوئی اس میں مجھے حیرہ کے محلات اور کسریٰ کے شہر کتے کے دانتوں کی طرح دکھائی دیئے۔ جبرئیل نے مجھے بتایا کہ میری امت ان پر غالب ہو جائے گی۔ دوسری ضرب کی چمک میں مجھے سرزمین روم کے سرخ محلات کتے کے دانتوں کی طرح نظر آئے۔ جبرئیلؑ نے مجھے بتایا کہ میری امت کو ان پر غلبہ حاصل ہوگا۔ تیسری ضرب لگائی تو اس کی چمک میں مجھے صنعاء کے محلات کتے کے دانتوں کی طرف نظر آئے۔ جبرئیلؑ نے خبر دی کہ میری امت کو ان پر بھی غلبہ نصیب ہوگا۔ بشارت قبول کرو۔'' یہ سن کر مسلمان خوش ہو گئے اور انہوں نے کہا: ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ اس کا وعدہ برحق ہے۔''

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''اس سیاق میں یہ روایت بہت ضعیف ہے۔ اسے ابن جریرؒ نے اپنی تاریخ میں

کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزنی عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ کثیر متروک ہے، بلکہ اس کے بارے میں امام شافعیؒ اور امام ابوداؤد نے فرمایا ہے کہ وہ جھوٹ کے ارکان میں سے ہے (رکن من ارکان الکذب)۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ (۱۰۵/۴) میں لکھا ہے کہ یہ روایت غریب ہے، البتہ خندق کی کھدائی کے دوران پتھر آ جانے اور رسول اللہ ﷺ کے اسے توڑنے کا واقعہ صحیح بخاری (۳۱۷/۷) میں حضرت براءؓ سے مروی حدیث میں مختصراً اور مسند احمد (۳۰۳/۴) میں حضرت براءؓ کی حدیث میں مفصلاً مذکور ہے۔ اور اس کی سند حسن ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۳۱۷/۷) میں بیان کیا ہے۔''

غزوۂ بنی قریظہ

(۴۴) غزوۂ احزاب میں بنو قریظہ نے بدعہدی کی تھی، اس لیے اس سے فارغ ہوتے ہی وحی الٰہی سے اشارہ پا کر آں حضرت ﷺ نے مسلمانوں کو بنو قریظہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ شیخ غزالیؒ نے بیان کیا ہے کہ جب آں حضرت ﷺ ان کے قلعوں کے قریب پہنچے تو انہیں مخاطب کر کے فرمایا: ''اے بندروں کے بھائیو! کیا اللہ نے تمہیں رسوا کیا ہے اور تم پر اپنا غضب نازل کیا ہے؟! یہ سن کر ان لوگوں نے کہا: اے ابوالقاسم! آپ تو نادان نہ تھے۔''

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ لکھتے ہیں:

''یہ ضعیف ہے۔ اس کی تخریج ابن اسحاقؒ نے زہریؒ سے مرسلاً کی ہے اور ان سے ابن ہشامؒ (۱۹۴/۲-۱۹۵) نے کی ہے۔ حاکمؒ (۳۴/۳-۳۵) نے اس کی روایت حضرت ابن عمرؓ سے کی ہے اور اس کی سند بھی ضعیف ہے۔''

صلحِ حدیبیہ

(۴۵) ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کا ارادہ کیا اور صحابہ کی ایک بڑی جمعیت کے ساتھ مکہ کی جانب عازمِ سفر ہوئے۔ مشرکینِ مکہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ہر قیمت پر تہیہ کر لیا کہ

مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ مشرکوں نے مسلمانوں کو اشتعال دلانے کے لیے متعدد حرکتیں کیں، مگر مسلمانوں نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ اسی سلسلے میں شیخ غزالیؒ نے ایک روایت حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ قریش نے چالیس پچاس افراد کو بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کے لشکر کے گرد چکر لگائیں اور کوئی مسلمان مل جائے تو اسے پکڑ لائیں۔ یہ سب لوگ خود پکڑے گئے اور نبی ﷺ کی خدمت میں لائے گئے۔ آپؐ نے انہیں معاف کر دیا اور واپس جانے دیا، حالاں کہ ان لوگوں نے اسلامی لشکر پر پتھر پھینکے تھے اور تیر چلائے تھے۔

اس روایت کے سلسلے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ ضعیف ہے۔ اس کی روایت ابن ہشامؒ (۲۲۸/۲) نے ابن اسحاقؒ سے کی ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی کا نام مذکور نہیں ہے۔ اسی کے مثل ایک مختصر روایت احمدؒ (۸۶/۴-۸۷) نے حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے صحیح سند سے بیان کی ہے۔ اس میں قریش کے تیس نوجوانوں کا تذکرہ ہے اس روایت میں یہ بھی ہے کہ انہی لوگوں کے سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی:

''وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ'' (الفتح: ۲۴)

''وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے حالاں کہ وہ ان پر تمہیں غلبہ عطا کر چکا تھا۔''

شہادتِ عثمانؓ کی افواہ پر رسول اللہ ﷺ کا ردِ عمل

(۴۶) رسول اللہ ﷺ کی کوشش تھی کہ کسی طرح قریش رضا مند ہو جائیں اور مسلمانوں کو عمرہ کر لینے دیں۔ اسی مقصد سے سردارانِ قریش سے گفتگو کرنے اور انہیں رضا مند کرنے کے لیے آں حضرت ﷺ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو مکہ بھیجا۔ انہوں نے جا کر گفتگو کی، مگر سردارانِ قریش کسی طرح تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو روک لیا اور واپس نہ جانے دیا۔ ان کی واپسی میں تاخیر پر یہ افواہ پھیل گئی کہ انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔ شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ

جب نبی ﷺ نے بھی یہ افواہ سنی تو فرمایا: ''اب ہم ان لوگوں سے جنگ کریں گے۔''

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ ضعیف ہے اس کی تخریج ابن اسحاقؒ نے اور ان سے ابن ہشامؒ (۲/۲۲۹) نے حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے مرسلاً کی ہے۔''

ابوالعاص کی گرفتاری اور رہائی کا واقعہ

(۴۷) مابعد صلح حدیبیہ کے واقعات میں حضرت ابوبصیرؓ کا واقعہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش اور مسلمانوں کے درمیان جو معاہدہ طے پایا تھا اس کی ایک دفعہ یہ تھی کہ اگر مکہ سے کوئی شخص مدینہ چلا جائے گا تو خواہ وہ مسلمان ہو، اسے واپس کرنا ہوگا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک صاحب نے، جن کا نام ابوبصیر تھا، اسلام قبول کیا اور حضورؐ کی خدمت میں مدینہ چلے آئے۔ معاہدہ کی اسی شرط کی بنا پر آں حضرت ﷺ نے انہیں واپس کر دیا۔ وہ مکہ واپس جانے کے بجائے سیف البحر نامی علاقہ میں چلے گئے۔ اب قریش کا جو شخص بھی اسلام قبول کرتا وہ مکہ سے نکل کر حضرت ابوبصیرؓ سے جا ملتا۔ اس طرح رفتہ رفتہ ایک جمعیت تیار ہوگئی۔ اب قریش کا جو قافلہ بھی اس راہ سے گزرتا وہ لوگ اس کے مال واسباب پر قبضہ کر لیتے۔ آخر قریشؔ نے عاجز آ کر خود ہی معاہدہ کی اس دفعہ کو ساقط کروا دیا۔

شیخ غزالیؒ نے موسیٰ بن عقبہؒ کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبصیرؓ کی جمعیت نے ایک موقع پر قریش کے ایک تجارتی قافلہ پر حملہ کیا، جس میں آں حضرت ﷺ کے داماد ابوالعاص بھی تھے۔ اس وقت تک وہ اسلام نہیں لائے تھے۔ پورے اہل قافلہ کو گرفتار اور ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا گیا، سوائے ابوالعاص کے کہ انہیں گرفتار نہیں کیا گیا۔ وہ بھاگ کر مدینہ آئے اور اپنی بیوی حضرت زینبؓ کے یہاں پناہ لی اور اپنی بپتا سنائی۔ حضرت زینبؓ نے حضور ﷺ سے گفتگو کی۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ خطبہ دیا: ''ہم نے کچھ لوگوں سے رشتے قائم کیے، ان میں ابوالعاص بھی ہے۔ ہم نے اسے بہترین داماد پایا۔ وہ قریش کے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آ رہا تھا کہ ابوبصیرؓ کی جمعیت نے اس قافلہ کو گرفتار کر لیا

ہے اور اس کے مال واسباب پر قبضہ کرلیا ہے۔ میری بیٹی زینبؓ چاہتی ہے کہ میں اس قافلہ کے لوگوں کو پناہ دے دوں، پھر کیا تم لوگ ابوالعاص اور اس کے ساتھیوں کو پناہ دینے پر تیار ہو؟ مسلمانوں نے کہا: ہاں۔''

اس روایت کے سلسلے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ روایت صحیح نہیں۔ ابن عقبہؒ نے اسے زہریؒ سے مرسلاً روایت کیا ہے، جیسا کہ ابن حجرؒ کی کتاب فتح الباری (۳۶۹/۵) اور ابن عبدالبرؒ کی کتاب الاستیعاب (ترجمۃ ابی بصیر) میں مذکور ہے۔ ابن اسحاقؒ نے اس واقعہ کو دوسرے سیاق میں بیان کیا ہے اور ان کی سند سے ابن ہشامؒ نے السیرۃ (۸۲/۲-۸۳) میں مرسلاً اس کی روایت کی ہے۔ حاکمؒ نے المستدرک (۲۳۶/۳-۲۳۷) میں اس کی روایت حضرت عائشہؓ سے موصول سند سے کی ہے۔ اور وہ سند اچھی ہے۔ (و اسنادہ جید) اس لیے موسیٰ بن عقبہؒ کی سند سے مروی روایت کے بجائے مستدرک حاکم کی روایت پر اعتماد کرنا زیادہ مناسب تھا۔ اس کی ایک شاہد روایت حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے جسے بیہقیؒ نے اپنی سنن (۹۵/۹) میں بیان کیا ہے۔''

غزوۂ خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی دعا

(۴۸) اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہود کی سازشوں میں کچھ کمی نہ آئی تھی۔ وہ خیبر میں مجتمع ہو کر دیگر قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے۔ اس لیے آں حضرت ﷺ نے حدیبیہ سے واپس آکر محرم ۷ھ میں یہودِ خیبر کی قوت وشوکت توڑنے کے لیے خیبر کا رخ کیا۔ جب آپ قلعہ بند بستی کے قریب پہنچے تو اپنے اصحاب سے فرمایا: ٹھہرو، پھر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی:

''اے اللہ! جو آسمانوں کا رب ہے اور ان کا بھی جو ان کے نیچے ہیں، جو زمینوں کا رب ہے اور ان کا بھی جو ان کے اوپر ہیں، جو شیاطین کا رب ہے اور ان کا بھی جنہیں وہ بہکائیں، جو ہواؤں کا رب ہے اور ان کا بھی جنہیں وہ اڑا کے لے جائیں، ہم تجھ سے اس بستی اور اس کے رہنے والوں اور اس کی چیزوں کے خیر کے

خواستگار ہیں اور اس کے شر سے اور اس کے رہنے والوں اور اس کی چیزوں کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔''

یہ دعا کر کے آپ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔''

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ حدیث حسن ہے۔ اس کی تخریج ابن ہشامؒ (۲/۳۳۶) نے عن ابن اسحاق عن أبي مغتب بن عمرو کی سند سے کی ہے۔ اس سند میں ایک راوی کا نام مذکور نہیں ہے۔ بیہقیؒ نے اپنی روایت میں اس کا نام 'صالح بن کیسان' لکھا ہے، جیسا کہ البدایۃ (۴/۱۸۳) میں مذکور ہے۔ لیکن ان سے روایت کرنے والے ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع ضعیف ہیں، اسی لیے بیہقیؒ نے سنن (۵/۲۵۲) میں اس سند کے ضعیف ہونے کی صراحت کی ہے، لیکن اس کی شاہد ایک دوسری روایت ہے جسے خود انہوں نے اور حاکم (۱/۴۴۶، ۲/۱۰۱) اور ابن السنیؒ (حدیث نمبر ۵۱۸) نے حضرت صہیبؓ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ جس بستی میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے تھے، اس پر نگاہ پڑتی تو یہ دعا کیا کرتے تھے۔'' حاکمؒ نے اسے صحیح الاسناد قرار دیا ہے اور ذہبیؒ نے اس کی تائید کی ہے لیکن اس کی صحت محلِ نظر ہے، البتہ ایک دوسری روایت جو حضرت ابولبابہ بن منذرؓ سے مروی ہے، اس کی شاہد ہے۔ اس شاہد روایت کو طبرانیؒ نے الاوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے، جیسا کہ ہیثمیؒ نے المجمع (۱۰/۱۳۴) میں بیان کیا ہے۔

البتہ اس روایت کا آخری حصہ، جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کے بعد اپنے اصحاب سے فرمایا: ''اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔'' ضعیف ہے۔ اس لیے کہ اس کی کوئی شاہد روایت موجود نہیں ہے۔''

یہودِ خیبر سے معرکہ آرائی

(۴۹) خیبر کے یہود قلعہ بند ہو گئے تھے۔ ان کے شہسوار قلعہ سے نکل کر حملہ کرنے کی

کوشش کرتے اور پھر قلعہ میں پناہ لے لیتے تھے۔ ان کے ایک مشہور شہ سوار کا نام مرحب تھا۔ اس نے قلعہ سے نکل کر پکارا کہ اس سے مقابلہ کرنے کے لیے کون سامنے آتا ہے؟ شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اس سے مقابلہ کرنے کے لیے حضرت علی بن ابی طالبؓ آگے بڑھے اور اسے قتل کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اسے قتل کرنے والے حضرت محمد بن مسلمہؓ تھے۔ اسے قتل کر کے انہوں نے اپنے بھائی حضرت محمود بن مسلمہؓ کا انتقام لیا تھا جو دورانِ معرکہ شہید ہو گئے تھے۔

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''صحیح بات یہ ہے کہ مرحب کو حضرت علی بن ابی طالبؓ نے قتل کیا تھا۔ صحیح مسلم (۹۵/۵) اور مستدرک حاکم (۳۹/۳) میں حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ حاکمؒ (۳۷۶/۳) نے لکھا ہے: ''بہت سی متواتر روایات سے ثابت ہے کہ مرحب کو قتل کرنے والے حضرت علیؓ تھے۔''

شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ مرحب کے قتل کے بعد اس کا بھائی یاسر نکل کر آیا۔ اس سے حضرت زبیرؓ نے مقابلہ کیا۔ لشکر کے ساتھ ان کی ماں حضرت صفیہؓ بھی تھیں۔ وہ ڈریں کہ کہیں یاسر ان کے بیٹے کو قتل نہ کر دے۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''نہیں، بلکہ ان شاء اللہ تیرا بیٹا اسے قتل کر دے گا۔'' چنانچہ یاسر حضرت زبیرؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ ضعیف ہے۔ اس کی تخریج ابن ہشامؒ نے ابن اسحاق عن ہشام بن عروہ کی سند سے معضلاً کی ہے۔''

اسی سیاق میں شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی کہ یہود کو محاصرہ کی مطلق پروا نہیں ہے، اس لیے کہ ان کے پاس پانی کے خفیہ ذخیرے ہیں جہاں وہ رات میں نکلتے ہیں اور وہاں سے پانی لے کر آتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ انہیں وہاں تک نہ پہنچنے دیا جائے۔

اس روایت کے سلسلے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اسے واقدی نے معضلاً روایت کیا ہے، جیسا کہ البدایۃ (۱۹۸/۴) میں مذکور ہے اور واقدی متروک ہے۔''

معرکۂ خیبر کے دوران ایک حبشی غلام کا واقعہ

(۵۰) شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ خیبر میں ایک یہودی کا ایک حبشی غلام تھا۔ یہود کی زبانی رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ سن کر اسے آپ سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔ وہ اپنے ریوڑ کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی باتیں سن کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اس نے عرض کیا: یہ ریوڑ میرے پاس امانت ہے۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: اسے ہانک دو، تمہاری امانت ادا ہو جائے گی۔ اس حبشی نے اس معرکہ میں مسلمانوں کی طرف سے جنگ کی اور شہید ہوا۔ آں حضرت ﷺ نے اس کے جنتی ہونے کی بشارت سنائی۔

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ ضعیف ہے۔ اسے ابن کثیرؒ (۱۹۰/۴-۱۹۱) نے عروہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ بیہقیؒ نے شرحبیل بن سعد عن جابر کی سند سے ایسا ہی واقعہ بیان کیا ہے۔ اور شرحبیل کا حافظہ آخر عمر میں بگڑ گیا تھا (کان اختلط) اسی سند سے اس روایت کی تخریج حاکمؒ (۱۳۶/۲) نے کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس پر ذہبیؒ نے تعقب کیا ہے اور لکھا ہے کہ ''شرحبیل متہم تھے۔''

غزوۂ خیبر میں شریک خواتین کا حصہ

(۵۱) امام احمدؒ نے حشرج بن زیاد سے اور انہوں نے اپنی دادی سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''ہم چھ عورتیں غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلی تھیں۔ جب خیبر فتح ہوا تو آپ ﷺ نے مردوں کی طرح ہمارا بھی حصہ لگایا۔'' حشرج نے دریافت کیا: ''دادی جان! آپ کے حصے میں کیا آیا تھا؟'' انہوں نے جواب دیا: ''کھجوریں۔''

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ روایت جو مسند احمدؒ (۳۷۱/۶) کے علاوہ سنن ابوداؤد (۴۲۹/۱) میں بھی ہے، ضعیف ہے۔ اس کی علت یہی صاحب حشرج ہیں۔ یہ غیر معروف ہیں، جیسا کہ ذہبیؒ نے فرمایا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے التقریب میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے،

البتہ انہوں نے فتح الباری (۶/ ۵۹-۶۰) میں اس حدیث پر سکوت اختیار کیا ہے۔"

شیخ غزالی نے مسند احمد کی مذکورہ بالا حدیث کے علاوہ سنن أبی داؤد کی یہ حدیث بھی ذکر کی ہے جس میں ہے کہ قبیلۂ بنی غفار کے کچھ خواتین آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ کے ساتھ غزوہ (خیبر) میں نکلنے کا ارادہ کیا ہے، ہم زخمیوں کا علاج کریں گے اور اپنی استطاعت بھر مسلمانوں کی مدد کریں گے۔" آں حضرت ﷺ نے فرمایا: "علی برکة اللّٰه" یعنی ٹھیک ہے، نکلو۔

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

"یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی تخریج ابوداؤدؒ (۱/ ۵۱)، احمدؒ (۶/ ۳۸۰) اور ابن ہشامؒ (۲/ ۲۴۲) نے ابن اسحاقؒ کے واسطے سے قبیلۂ بنی غفار کی ایک عورت سے کی ہے۔ اس کی سند میں ایک راویہ امیہ بنت ابی صلت ہے، جو غیر معروف ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے۔"

مہاجرینِ حبشہ کی واپسی

(۵۲) غزوۂ خیبر ہی کے موقع سے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور دیگر صحابہ، جو مکہ سے حبشہ ہجرت کر گئے تھے، مدینہ واپس آئے۔ شیخ غزالی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ یہ حضرات جب مدینہ تشریف لائے تو انہیں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے اور آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ مجھے زیادہ خوشی کس بات سے ہے؟ خیبر کی فتح سے یا جعفر کے آنے سے؟"

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

"یہ حدیث حسن ہے۔ اس کی تخریج حاکمؒ (۴/ ۲۱۱) نے اور طبرانیؒ نے الکبیر میں شعبی سے مرسلاً کی ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اسے حاکمؒ نے عن الشعبی عن جابر کی دوسری سند سے موصولاً بھی روایت کیا ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ اسی لیے ذہبیؒ نے التلخیص میں لکھا ہے: "صحیح یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔" اس کی

روایت بیہقیؒ نے ایک دوسری سند (عن ابی الزبیر عن جابر) سے کی ہے، جیسا کہ البدایۃ (۲۰۶/۴) میں ہے، لیکن اس سند کے بعض راوی غیر معروف ہیں۔ اس کی ایک شاہد روایت ابو جحفہ سے مروی ہے۔ اس کی تخریج طبرانیؒ نے المعجم الصغیر (ص ۸) میں کی ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے، لیکن طبرانیؒ ہی نے المعجم الکبیر میں اس کی تخریج ایک دوسری سند سے کی ہے، جیسا کہ المجمع (۲۷۲/۹) سے معلوم ہوتا ہے۔
خلاصہ یہ کہ ان تمام طرق سے مل کر یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ حاکمؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔''

شہنشاہ کسریٰ کے نام مکتوبِ نبویؐ

(۵۳) آں حضرت ﷺ نے ۷ھ میں مختلف سلاطین کے نام خطوط ارسال کیے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ ان سلاطین کا رویہ ان مکاتیب کے سلسلے میں مختلف تھا۔ ایران کے شہنشاہ کسریٰ نے مکتوبِ نبویؐ کو چاک کر ڈالا اور یمن کے حاکم کو حکم دیا کہ اپنے یہاں سے دو طاقت ور آدمیوں کو بھیجو کہ اس شخص کو میرے دربار میں حاضر کریں۔
اس سیاق میں شیخ غزالیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب حاکمِ یمن کے فرستادہ نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''کسریٰ کو یہ بات پہنچا دو کہ میرا دین اور میرا اقتدار اس کے حدودِ مملکت تک پہنچ کر رہے گا اور دور دراز کے لوگوں تک رسائی حاصل کرلے گا۔ اس سے یہ بھی کہو کہ اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں اقتدار تمہیں کو سونپ دوں گا اور تمہاری قوم پر تمہیں کو حکمراں بنا دوں گا۔''

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ ضعیف ہے۔ اس کی تخریج ابن جریرؒ نے اپنی تاریخ (۲۹۷/۲) میں یزید بن ابی خبیبؒ سے مرسلاً کی ہے۔''

عمرۃ القضاء

(۵۴) ۷ھ کے اواخر میں آں حضرت ﷺ نے مکہ تشریف لے جا کر عمرۃ القضاء ادا

فرمایا، جس سے مشرکین نے گزشتہ سال روک دیا تھا۔ اس سلسلے میں شیخ غزالیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ مشرکینِ قریش نے یہ خیال کیا کہ محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب بڑی تنگی، مشقت اور پریشانی میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کا مشاہدہ کرنے کے لیے وہ دارالندوہ کے پاس اکٹھا ہوئے۔ جب رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے لاکر بائیں کندھے پر ڈال لیا، اس طرح اپنا دایاں بازو چادر سے باہر نکال لیا، پھر فرمایا: ''اللہ اس شخص پر رحم کرے جو آج ان لوگوں کے سامنے قوت کا مظاہرہ کرے۔''

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ ضعیف ہے۔ اس کی روایت ابن ہشامؒ (۲/۴/۲۵) نے ابن اسحاقؒ سے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''مجھ سے ایک معتبر شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔'' نیز اس کی روایت ابن جریرؒ (۲/۲۰۹) نے عن ابن عباس عن الحسن بن عمارة عن الحکم بن عیینة عن مقسم عن ابن عباس کی سند سے کی ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ پہلی سند سے منقول ہے، اس لیے کہ حسن بن عمارۃ پر وضع کا الزام ہے۔ اور اگر یہ صحیح نہیں ہے تو پہلی سند میں ایک راوی کا نام معلوم نہیں ہے۔''

مذکورہ روایت کے بجائے مسند احمد (حدیث نمبر ۲۶۳۶) میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی یہ حدیث بیان کرنی چاہئے تھی ''قریش نے کہا کہ محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے تشریف لائے تو ان سے فرمایا: ''دوڑ کر خانۂ کعبہ کا طواف کرو، تاکہ مشرکین تمہاری قوت دیکھ لیں۔'' جب صحابہ نے ایسا کیا تو قریش نے کہا: یہ تو کمزور نہیں ہوئے ہیں۔'' اس کی سند صحیح ہے اور بخاریؒ (۸/۴۱۱) نے اسے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔''

ام المومنین حضرت میمونہؓ سے نکاح

(۵۵) عمرۃ القضاء ہی کے موقع پر آں حضرت ﷺ نے حضرت میمونہ بنت الحارثؓ سے نکاح فرمایا۔ یہ نکاح آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے کرایا تھا جو حضرت میمونہؓ کے بہنوئی بھی تھے۔ عقدِ نکاح مکہ میں ہوا تھا اور واپسی میں ''سرف'' نامی مقام پر آپ ﷺ ام المومنین کے پاس تشریف لے گئے تھے۔

اس سلسلے میں شیخ غزالیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب مکہ میں آں حضرت ﷺ اور صحابہ کو وہاں رہتے تین دن گزر گئے تو قریش آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ معاہدہ کی مدت ختم ہوگئی ہے، اب یہاں سے چلے جائیں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اگر تم لوگ مجھے کچھ مدت اور رہنے دیتے تو بہتر تھا، میں تمہارے درمیان شبِ زفاف مناتا، ہم لوگ تمہاری دعوت ولیمہ کرتے۔'' ان لوگوں نے جواب دیا: ''ہمیں آپ کی دعوت کی ضرورت نہیں ہے، آپؐ اب یہاں سے چلے جائیں۔''

اس روایت کے سلسلے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

> ''یہ روایت ضعیف ہے۔ اسے ابن ہشامؒ (۲/۲۵۵) نے ابن اسحاقؒ سے بغیر سند کے روایت کیا ہے۔ یہ واقعہ صحیح بخاری میں (۷/۴۲۳، ۴۰۷) حضرت براءؓ اور (۷/۴۱۰) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، لیکن اس میں یہ ارشادِ نبوی ''اگر تم لوگ مجھے کچھ مدت اور رہنے دیتے تو بہتر تھا.....'' مذکور نہیں ہے۔ اس میں صرف اتنا ہے کہ ''تین دن قیام کے بعد ان لوگوں نے آپ سے نکل جانے کو کہا، چنانچہ آپ ﷺ نکل گئے۔''

غزوۂ موتہ

(۵۶) غزوۂ موتہ ۸ھ میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان ہوا تھا۔ آں حضرت ﷺ نے اس غزوہ کے لیے علی الترتیب حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جعفر بن ابی طالبؓ اور

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو سپہ سالار نامزد فرمایا۔ یہ تینوں شہید ہو گئے تو مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو سپہ سالار منتخب کر لیا۔ نبی علیہ السلام نے مدینہ خبر پہنچنے سے پہلے ہی مسلمانوں کو تینوں سپہ سالاروں کی شہادت کی اطلاع دی۔ اس سیاق میں شیخ غزالیؒ نے ابن اسحاقؒ سے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ ان لوگوں کو سونے کی مسہریوں پر جنت میں لے جایا گیا۔ میں نے عبداللہ بن رواحہؓ کی مسہری میں کچھ کجی دیکھی، جب کہ ان کے دونوں ساتھیوں (حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ) کی مسہریوں میں ایسی کجی نہیں تھی۔ میں نے دریافت کیا: ایسا کیوں ہے؟ مجھے جواب دیا گیا کہ ان دونوں نے بغیر کسی تردد کے موت کو گلے لگا لیا، جب کہ عبداللہ کو ابتدا میں کچھ تردد ہوا تھا۔ اس لیے ایسا ہے۔''

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''ابن اسحاق نے اسے ''بلغنی'' (یعنی مجھ تک یہ بات پہنچی ہے) کہہ کر روایت کیا ہے، جیسا کہ سیرۃ ابن ہشام (۲۵۸/۱-۲۵۹) اور دیگر کتبِ سیرت میں مذکور ہے۔ اس بنا پر یہ روایت ضعیف ہے۔''

قریش اور بنو بکر کی بدعہدی

(۵۷) صلحِ حدیبیہ کی مدت دس سال طے ہوئی تھی اور یہ بھی طے پایا تھا کہ قبائلِ عرب فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہو جائیں، چنانچہ بنو خزاعہ مسلمانوں کے ساتھ اور بنو بکر قریش کے ساتھ شریک معاہدہ ہو گئے تھے۔ بنو خزاعہ اور بنو بکر کے درمیان پہلے سے جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ صلح ہونے کے بعد بھی ایک موقع پر بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کیا تو قریش نے نہ صرف ان کا ساتھ دیا، بلکہ ان کو اسلحہ بھی فراہم کیا۔ بنو خزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی تو ان لوگوں نے اس کی بھی پروا نہ کی، حرم کی حرمت کو پامال کیا اور بنو خزاعہ کا قتلِ عام کیا۔ بنو خزاعہ نے آں حضرت علیہ السلام کی خدمت میں فریاد کی۔ شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ بنو خزاعہ کا نمائندہ عمرو بن سالم رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ علیہ السلام صحابہ کے درمیان تشریف

فرماتے تھے۔اس نے اشعار کی شکل میں اپنی بپتا سنائی (شیخ غزالیؒ نے نو اشعار نقل کیے ہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد کی جائے گی۔''

علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ روایت ضعیف ہے۔اسے ابن ہشامؒ (۲/۲۶۵) اور ابن جریرؒ (۲/۳۲۴-۳۲۵) نے ابن اسحاقؒ سے بغیر سند کے روایت کیا ہے۔طبرانیؒ نے المعجم الصغیر (ص۲۰۲) میں اس کی روایت موصولاً کی ہے۔اسی طرح طبرانیؒ نے المعجم الکبیر میں بھی اسے حضرت میمونہ بنت الحارثؓ سے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔''

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کا اپنے باپ (ابوسفیان) کے ساتھ معاملہ

(۵۸) قریش نے بنوخزاعہ کے خلاف جنگ جوئی کر کے معاہدۂ حدیبیہ کی صریح خلاف ورزی کی تھی۔قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔چنانچہ ان کے سردار ابوسفیان مدینہ آئے، تا کہ معاہدہ کو باقی رکھنے کی تدابیر کریں۔مدینہ پہنچ کر وہ سب سے پہلے اپنی صاحب زادی ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے پاس گئے۔انہیں دیکھ کر ام المؤمنین نے بستر لپیٹ دیا۔ابوسفیان نے کہا: بیٹی میں سمجھا نہیں،تم نے مجھے اس بستر کے قابل نہیں سمجھا یا اس بستر کو میرے قابل نہیں سمجھا؟ ام المؤمنین نے جواب دیا: یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ مشرک نجس ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! میرے بعد تمہارے حالات بگڑ گئے ہیں۔

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ ضعیف ہے۔اسے ابن اسحاقؒ نے بغیر سند کے ذکر کیا ہے، جیسا کہ ابن ہشامؒ (۲/۲۶۵) اور ابن جریرؒ (۲/۳۲۵-۳۲۶) نے بیان کیا ہے۔''

مکہ میں فاتحانہ داخلہ

(۵۹) شیخ غزالیؒ نے آں حضرت ﷺ کے مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخلہ کی یہ کیفیت بیان

کی ہے: ''آپ ﷺ ایک اونٹنی پر سوار تھے۔ سر پر سفید عمامہ تھا اور وہ شدتِ خشوع سے جھکا ہوا تھا۔ آپؐ کجاوہ پر جھکے ہوئے تھے اور آپؐ پر اس قدر تواضع طاری تھا کہ آپؐ کی ریشِ مبارک کجاوہ کے درمیانی ابھار کو چھو رہی تھی۔

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ ضعیف ہے۔ اس کی روایت ابن ہشامؒ (۲/۲۶۹) نے ابن اسحاقؒ سے کی ہے، فرماتے ہیں: مجھ سے عبداللہ بن ابی بکر نے مرسلاً روایت کیا ہے۔ اس کی روایت حاکمؒ (۳/۴۷) نے موصولاً کی ہے۔ اسی طرح ابو یعلیٰ نے اسے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ حاکمؒ کہتے ہیں: ''یہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔'' اور ذہبیؒ نے اس کی تائید کی ہے۔ یہ دونوں کا وہم ہے۔ اس لیے کہ اس سند میں ایک راوی عبداللہ بن بکر المقدمی ہے، جو ضعیف ہے۔ ابن عدیؒ نے اس کا تذکرہ کرنے کے بعد یہی روایت بیان کی ہے، جیسا کہ المیز ان میں مذکور ہے۔ عبداللہ بن بکر المقدمی اور عبداللہ بن ابی بکر شیخ ابن اسحاق دونوں الگ الگ راوی ہیں۔ اول الذکر امام احمدؒ کے طبقہ کے بعد کے ہیں، جب کہ موخر الذکر صغار تابعین میں سے ہیں۔ وہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں اور ثقہ ہیں۔''

قریش کے سامنے آں حضرت ﷺ کا خطبہ

(۶۰) خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے کے بعد آں حضرت ﷺ قریش کی جانب متوجہ ہوئے۔ وہ منتظر تھے کہ آپ ان کے بارے میں کیا فیصلہ کرتے ہیں؟ آپ نے خانۂ کعبہ کے دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر خطبہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے قوم قریش! جانتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟'' انہوں نے جواب دیا: ''ہم اچھی امید رکھتے ہیں۔ آپ کریم النفس اور شریف بھائی ہیں اور کریم النفس اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں وہی بات کہوں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی۔ آج تمہارا کچھ مواخذہ نہیں ہے۔ جاؤ، تم سب آزاد ہو۔''

علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ روایت ضعیف ہے۔ ابن اسحاقؒ نے اسے معضلاً روایت کیا ہے، جیسا کہ ابن ہشامؒ (۲/۴/۲۷) میں مذکور ہے۔ امام غزالیؒ نے ''الاحیاء'' (۱۵۸/۳) میں اسے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے، لیکن اس میں ''اذھبوا'' (جاؤ) کا لفظ نہیں ہے۔ حافظ عراقیؒ نے اس کی تخریج میں لکھا ہے: اس کی روایت ابن الجوزیؒ نے ''الوفاء'' میں ابن ابی الدنیاؒ کی سند سے کی ہے، جو ضعیف ہے۔ پھر امام غزالیؒ نے اس کی روایت حضرت سہل بن عمروؓ سے کی ہے۔ اس کے بارے میں عراقیؒ نے لکھا ہے: ''یہ مجھے نہیں ملی۔''

فضالہ بن عمیر کا واقعہ

(۶۱) فتحِ مکہ کے موقع کے واقعات کے ضمن میں شیخ غزالیؒ نے فضالہ بن عبید کا واقعہ بیان کیا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادہ سے قریب ہوا۔ آپ ﷺ اس کی نیت بھانپ گئے۔ اسے بلا کر دریافت کیا: کیا سوچ رہے تھے؟ اس نے جواب دیا: ''کچھ نہیں، اللہ کو یاد کر رہا تھا'' یہ سن کر آپ ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا: اللہ سے معافی مانگو، پھر آپ نے اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھ دیا۔ فضالہ نے بیان کیا کہ جوں ہی آپ ﷺ نے میرے سینے سے ہاتھ ہٹایا، آپؐ کی ذات گرامی مجھے اتنی محبوب ہوگئی کہ اللہ کی تمام مخلوق میں مجھے آپؐ سے زیادہ اور کوئی محبوب نہ تھا۔''

اس کے بارے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ روایت ضعیف ہے۔ اسے ابن ہشامؒ (۲/۶/۲۷) نے معضل سند سے روایت کیا ہے۔''

غزوۂ طائف

(۶۲) غزوۂ حنین میں شکست کھانے کے بعد قبیلۂ ثقیف کے لوگ طائف واپس آ کر

اپنے قلعوں میں محصور ہو گئے۔ آں حضرت ﷺ نے بھی صحابہ کے ساتھ طائف کا رخ کیا۔ آپ نے تقریباً پندرہ دنوں تک ان کا محاصرہ کیا، لیکن شہر فتح نہ ہو سکا تو صحابہ سے مشورہ کیا۔ پہلے صحابہ کی رائے محاصرہ جاری رکھنے کی تھی، مگر پھر وہ محاصرہ اٹھانے پر تیار ہو گئے۔

شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے:

''بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت نوفل بن معاویہؓ سے مشورہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہاں ٹھہرنے کے سلسلے میں تمہاری کیا رائے ہے؟'' انہوں نے جواب دیا: ''اے اللہ کے رسول! سانپ سوراخ میں ہے۔ اگر آپ ٹھہرے رہیں گے تو اسے پکڑ لیں گے اور اگر اسے چھوڑ دیں گے تو وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

اس روایت کے سلسلے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ بہت ضعیف ہے۔ اسے واقدیؒ نے روایت کیا ہے جیسا کہ البدایۃ (۳۵۰/۴) میں مذکور ہے۔ اور واقدی متہم بالکذب ہے۔''

آگے شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عمر بن الخطابؓ کو حکم دیا کہ لوگوں میں کوچ کا اعلان کر دیں۔

اس پر علامہ البانیؒ لکھتے ہیں:

''یہ ضعیف ہے۔ اسے ابن ہشامؒ (۳۰۳/۲) نے ابن اسحاقؒ سے بلاغاً روایت کیا ہے، نیز اس کی روایت ابن لہیعہ نے عن أبی الاسود عن عروہ کی سند سے ہے۔ یہ مرسل ہونے کے ساتھ ضعیف بھی ہے۔''

آگے شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے:

''جب صحابہ طائف سے واپس آئے تو انہوں نے آں حضرت ﷺ سے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! قبیلۂ ثقیف کے تیروں نے ہمیں بہت زخم پہنچائے ہیں۔ آپ ان پر بددعا کر دیجیے۔ آں حضرت ﷺ نے اس کے بجائے ان کے لیے دعا کی اور فرمایا: ''اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے۔''

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ روایت ضعیف ہے۔ اسے ترمذیؒ (۳/۳۷۹) نے عن ابی الزبیر عن جابر کی سند سے روایت کیا ہے، پھر کہا ہے: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' حالاں کہ ابوالزبیر مدلس ہیں اور اس روایت میں عنعنہ ہے۔ (یعنی اس کی سند میں عن آیا ہے) اس کی ایک متابع روایت عبدالرحمٰن بن سابط سے مروی ہے، جسے احمدؒ (۳/۳۴۳) نے روایت کیا ہے، لیکن عبدالرحمٰن کا سماع حضرت جابرؓ سے ثابت نہیں ہے، جیسا کہ ابن معینؒ نے فرمایا ہے۔''

مکہ میں حضرت معاذ بن جبلؓ کی جانشینی

(۶۳) آں حضرت ﷺ صحابۂ کرامؓ کے ساتھ طائف سے واپس مکہ تشریف لائے اور پھر وہاں سے ۸ھ کے اواخر میں مدینہ آگئے۔ اہل مکہ چوں کہ نئے نئے اسلام لائے تھے اور دینی احکام کے بارے میں ان کے معلومات بہت کم تھیں اس لیے آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو وہاں اپنا جانشین بنایا، تاکہ انہیں اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت کی تعلیم دیں۔

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ ضعیف ہے۔ اسے ابن ہشامؒ (۲/۳۱۱) نے ابن اسحاقؒ سے بغیر سند کے ذکر کیا ہے۔ اس کی روایت حاکمؒ (۳/۲۷۰) نے عروہ سے مرسلاً کی ہے۔ یہ مرسل ہونے کے ساتھ ضعیف بھی ہے۔ ابن عبدالبرؒ نے 'الاستیعاب' میں حضرت معاذؓ کے تذکرہ میں عبداللہ بن کعب بن مالک سے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تھا۔ یہ روایت بھی مرسل ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو ان کا یمن بھیجا جانا مکہ میں جانشیں بنائے جانے کے بعد ہوا ہوگا۔ واللہ اعلم۔''

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عثمانؓ کی فیاضی

(۶۴) غزوۂ تبوک کے موقع پر اصحابِ ثروت مسلمانوں نے دل کھول کر اپنا مال و

اسباب اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے اس معاملے میں خوب فیاضی دکھائی اور بہت سے صحابہ پر سبقت لے گئے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے خوش ہو کر اللہ سے دعا کی: ''اے اللہ تو عثمان سے راضی ہو جا، میں بھی اس سے خوش ہوں۔''

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ روایت ان الفاظ میں ضعیف ہے۔ اسے ابن ہشامؒ (۲/۲۱۶) نے معضل سند سے روایت کیا ہے۔ نیز اس کی روایت ابن شاہینؒ نے اپنی کتاب شرح مذاهب اهل السنة (ج ۱۸، حدیث نمبر ۲۳) میں حضرت عائشہؓ سے کی ہے، لیکن اس میں ہے کہ نبی ﷺ نے ان کے لیے یہ دعا دوسرے موقع پر کی تھی۔ اس کی سند بہت ضعیف، بلکہ موضوع ہے۔ آں حضرت ﷺ نے جیش العسرة (غزوۂ تبوک) کے موقع پر حضرت عثمانؓ کے بارے میں فرمایا تھا: ''آج کے بعد عثمان جو کچھ کریں انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچے گا۔'' اسے ابن شاہینؒ (حدیث نمبر ۳)، حاکمؒ (۳/۱۰۲) اور دیگر محدثین نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃؓ سے روایت کیا ہے۔ اسے حاکمؒ نے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبیؒ نے اس کی تائید کی ہے۔ اس کی متعدد شاہد روایتیں ہیں جن کا تذکرہ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ (۶/۵) میں کیا ہے۔ اس کی ایک شاہد روایت ابن شاہینؒ (حدیث نمبر ۶۱) نے بھی ذکر کی ہے۔

منافقین کے حیلے بہانے

(۶۵) غزوۂ تبوک کے موقع پر منافقین نے آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر طرح طرح کے حیلے بہانے تراشے اور آپ ﷺ کے ساتھ جہاد پر نکلنے سے معذوری ظاہر کی۔ شیخ غزالیؒ نے ایک منافق جدّ بن قیس کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! مجھ کو معذور سمجھیے اور فتنے میں نہ ڈالیے۔ اللہ کی قسم میری قوم خوب جانتی ہے کہ مجھ سے زیادہ عورتوں کا رسیا کوئی نہیں، مجھے ڈر ہے کہ اگر میں بنو اصفر (یعنی

رومیوں) کی عورتوں کو دیکھ لوں گا تو خود پر قابو نہ رکھ سکوں گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس سے منہ پھیر لیا۔

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ ضعیف ہے۔ اس کی روایت ابن ہشامؒ (۳۱۶/۲) نے ابن اسحاقؒ سے مرسل سند سے کی ہے۔ اسی طرح اس کی روایت ابن جریر (۳۶۶/۲) نے ابن اسحاقؒ سے کی ہے۔''

آں حضرت ﷺ کی قبولیتِ دعا کا ایک واقعہ

(۶۶) سفر تبوک کے دوران آں حضرت ﷺ کی قبولیتِ دعا کا ایک عجیب وغریب واقعہ پیش آیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت کیا ہے کہ سفر تبوک میں ایک موقع پر ہمیں سخت پیاس لگی، پینے کو پانی بالکل نہیں تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آں حضرت ﷺ سے درخواست کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے اللہ سے دعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے۔ ابھی آپ کے ہاتھ اٹھے ہوئے تھے کہ بارش ہونے لگی اور خوب ہوئی، یہاں تک کہ پانی بہہ چلا، صحابہ نے اپنے برتنوں میں پانی بھر لیا، کچھ دیر کے بعد ہم باہر نکلے تو دیکھا کہ لشکر کے باہر پانی کا نام ونشان نہ تھا۔

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''اس واقعہ کا تذکرہ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ (۱/۵) میں عبداللہ بن وہب کی سند سے حضرت ابن عباسؓ سے کیا ہے۔ پھر لکھا ہے: اس کی سند اچھی ہے۔'' (اسنادہ جیّد) لیکن میرے نزدیک یہ سند اچھی نہیں، اس لیے کہ اس میں ایک راوی عتبہ بن ابی عتبہ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا تذکرہ ''اللسان'' (۱۲۹/۴) میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ عقیلی نے اس کا ذکر اپنی کتاب الضعفاء میں کیا ہے، پھر اس کی دو حدیثیں بیان کی ہیں، پھر لکھا ہے کہ ان میں سے کسی کی متابع روایت موجود نہیں ہے۔ ہاں، اس حدیث کا تذکرہ ہیثمیؒ نے المجمع (۱۰۴/۶-۱۰۵) میں کیا ہے، پھر لکھا ہے: ''اس کی

روایت بزارؒ نے اور طبرانیؒ نے الاوسط میں کی ہے اور بزار کے راوی ثقہ ہیں' اگر یہ بات صحیح ہے تو یہ حدیث حسن یا صحیح ہوگی۔"

مسلمانوں کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ

(۶۷) سفر تبوک میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا گزر حجر (قوم ثمود کے علاقوں) سے ہوا۔ شیخ غزالیؒ نے امام احمدؒ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حجر کے علاقے سے ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: "نشانیوں کا مطالبہ نہ کرو جس طرح قوم صالح نے مطالبہ کیا تھا، اللہ نے ان کے لیے ایک اونٹنی بھیج دی۔ وہ اس درے سے آتی تھی اور اس درے سے واپس چلی جاتی تھی۔ ایک دن وہ پانی پیتی تھی اور ایک دن ان کے جانور پانی پیتے تھے۔ انہوں نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں۔ چنانچہ ایک سخت دھماکے نے ان کو گھیر لیا اور وہ ہلاک ہو گئے۔"

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

"یہ روایت مسند احمد (۲۹۶/۳) میں عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن ابی الزبیر عن جابر کی سند سے مروی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ (۱۱/۵) میں لکھا ہے: "اس کی سند صحیح ہے۔" اسی طرح حاکمؒ (۳۴۰/۲-۳۴۱) نے بھی اس روایت کو اس سند سے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبیؒ نے اس کی تائید کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۲۹۴/۶) میں اسے حسن قرار دیا ہے، یہی صحت سے زیادہ قریب ہے۔ میرے نزدیک یہ تمام باتیں محل نظر ہیں۔ ان محدثین ہی سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ابوالزبیر مدلس ہیں اور ان کی معنعن روایت اسی صورت میں قابل قبول ہے جب ان سے لیث بن سعد روایت کریں اور یہ روایت ایسی نہیں ہے۔ ذہبیؒ نے لکھا ہے: "صحیح مسلم میں متعدد روایتیں ہیں جن میں ابوالزبیر نے حضرت جابرؓ سے سماعت کی صراحت نہیں کی ہے اور نہ ان کی روایت ان سے لیث نے کی ہے۔ ایسی روایتوں کے سلسلے میں مجھے اطمینان نہیں ہے" جب صحیح مسلم کی احادیث کے بارے میں ذہبیؒ

نے یہ بات کہی ہے تو ابوالزبیر کی ایسی روایتوں کو کیوں کر صحیح قرار دیا جا سکتا ہے جو صحیح مسلم میں نہیں ہیں۔"

مسجدِ ضرار

(۶۸) منافقین نے اپنی اسلام دشمن سرگرمیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ایک مسجد تعمیر کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ چل کر اس مسجد میں ایک مرتبہ نماز پڑھا دیں تاکہ وہ معتبر ہو جائے، انہوں نے بیان کیا کہ یہ مسجد انہوں نے اس لیے تعمیر کی ہے کہ عام دنوں میں کم زور اور بیمار لوگ اور بارش کی راتوں میں تمام لوگ یہیں نماز ادا کر لیا کریں۔ یہ سفر تبوک سے قبل کی بات ہے۔ آپ ﷺ نے معذرت کی اور فرمایا کہ اس وقت ہم سفر کی تیاریوں میں مشغول ہیں، واپسی پر ان شاء اللہ آئیں گے اور یہاں نماز پڑھیں گے۔

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

"یہ ضعیف ہے۔ اس کی روایت ابن ہشامؒ (۳۲۲/۲) نے ابن اسحاقؒ سے بغیر سند کے کی ہے، البتہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر (۳۸۸/۲) میں اسے ابن اسحاق عن الزہری و یزید بن رومان و عبداللہ بن ابی بکر و عاصم بن عمرو بن قتادہ وغیرہم کی سند سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔"

قبیلۂ ثقیف کی خدمتِ نبویؐ میں حاضری

(۶۹) غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد قبیلۂ ثقیف کا وفد خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا۔ چند دن وہاں ٹھہرا۔ آں حضرت ﷺ وقتاً فوقتاً اس کے پاس آتے رہے اور اہلِ وفد کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ بالآخر تمام ارکان وفد نے اسلام قبول کر لیا۔

اس موقع پر اہل وفد نے آں حضرت ﷺ سے بعض جاہلی مآثر کو باقی رکھنے کی درخواست کی۔ مثلاً انہوں نے عرض کیا کہ "لات" نامی بت کو تین سال کے لیے چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ نے سختی سے انکار کیا تو انہوں نے دو سال، پھر ایک سال، پھر ایک مہینے کی مہلت چاہی۔ آپ ﷺ

اس پر بھی تیار نہیں ہوئے تو انہوں نے کہا: اچھا تو پھر آپ ہی اسے کسی سے تڑوا لیں، ہم اپنے ہاتھوں اسے نہیں توڑ سکتے۔ آپ ﷺ نے ان کی یہ بات تسلیم کر لی۔ اس موقع پر انہوں نے نماز سے رخصت چاہی تو آپؐ نے فرمایا: ''اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہ ہو۔''

اس روایت کے سلسلے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ ضعیف ہے۔ اسے ابن ہشامؒ (۳۲۵/۲-۳۲۶) نے ابن اسحاقؒ سے معضلاً روایت کیا ہے۔ آخری جملے کی روایت ابوداؤدؒ (۴۲/۲) اور احمدؒ (۲۱۸/۵) نے عن الحسن عن عثمان بن ابی العاص کی سندِ موصول سے مرفوعاً کی ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں، لیکن حسن (بصری) مدلّس ہیں اور یہ روایت انہوں نے عنعنہ سے کی ہے۔''

اہل نجران کے نام مکتوبِ نبویؐ

(۷۰) اہل روم، جو جزیرۃ العرب کے شمال میں رہتے تھے، عیسائی مذہب کے پیروکار تھے۔ وہ مسلمانوں سے برسرِ پیکار تھے۔ مسلمانوں نے سوچا کہ جنوب کے نصاریٰ سے تعلقات کی نوعیت طے کر لی جائے۔ اس سلسلے میں شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے اہل نجران (جو مذہباً عیسائی تھے) کے نام ایک خط ارسال کیا۔ اس کا مضمون یہ تھا: ''ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے معبود کے نام سے، امابعد! میں تمہیں بندوں کی عبادت کے بجائے اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں اور بندوں کی ولایت کے بجائے اللہ کی ولایت کی طرف بلاتا ہوں۔ اگر تم اسے قبول نہیں کرتے ہو تو تمہیں جزیہ ادا کرنا ہوگا اور اگر اس سے بھی انکار کرتے ہو تو میں تمہارے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔ والسلام۔''

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ ضعیف ہے۔ اس کی روایت بیہقیؒ نے عن یونس بن بکیر عن سلمة بن یسوع عن ابیه عن جده کی سند سے کی ہے۔ یہ سند مجہول ہے۔ سلمہ اور اس کے اوپر کے راویوں کا تذکرہ مجھے کسی کتاب میں نہیں ملا۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے

ابو یسوع کسی صحابی کی کنیت نہیں بیان کی ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر میں نے پایا کہ ابن کثیرؒ نے یہ روایت اپنی تفسیر (۱/۳۶۹) میں ذکر کی ہے۔ انہوں نے نام ''سلمہ بن عبد یسوع'' درج کیا ہے۔ غالباً یہی نام صحیح ہے۔

وفد نجران خدمتِ نبویؐ میں

(۷۱) رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی پانے کے بعد قبیلۂ نجران نے ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ وفد عصر کے بعد مدینہ پہنچا۔ اسے مسجدِ نبویؐ میں ٹھہرایا گیا۔ شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اس وفد نے سب سے پہلے مسجدِ نبویؐ میں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے مسیحی طرز پر نماز ادا کی۔ لوگوں نے انہیں ایسا کرنے سے روکنا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انہیں چھوڑ دو۔''

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

> ''یہ روایت ضعیف ہے۔ اسے ابن ہشامؒ (۲/۴۲) نے ابن اسحاقؒ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''مجھ سے محمد بن جعفر بن الزبیر نے بیان کیا'' اس طرح یہ روایت مرسل یا معضل ہے۔''

آگے شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ ارکانِ وفد نے آں حضرت ﷺ سے ملاقات سے قبل سونے کی انگوٹھیاں اور ریشمی کپڑے پہنے اور خوب زیب و زینت اختیار کی۔ آں حضرت ﷺ نے دیکھا تو ان سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا اور انہیں عام لباس میں آنے کا حکم دیا۔ ملاقات پر بعض ارکان وفد نے سوال کیا: ''اے محمد (ﷺ) کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اسی طرح پرستش کریں جس طرح عیسیٰ بن مریم کی پرستش کی جاتی ہے؟ کیا آپ ہمیں اسی کی دعوت دیتے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: ''اللہ کی پناہ کہ میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی پرستش کروں یا کسی اور کی پرستش کی طرف دعوت دوں۔ اللہ نے مجھے اس کے ساتھ بھیجا ہے نہ مجھے اس کا حکم دیا ہے۔''

اس کے سلسلے میں علامہ البانیؒ لکھتے ہیں:

''یہ ضعیف ہے۔اس کی روایت ابن اسحاقؒ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباسؓ سے کی ہے، جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے۔اس میں ایک راوی محمد بن ابی محمد (الانصاری) ہے۔اس کے بارے میں ذہبی نے لکھا ہے:''یہ غیر معروف ہے۔'' رہے ابن حبان تو انہوں نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔''

حیاتِ نبویؐ کے آخری لمحات

(۷۲) آں حضرت ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کے آخری دنوں میں لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا۔آپ ﷺ نے فرمایا:''میں نے اپنی دانست میں کسی شخص پر کوئی ظلم اور زیادتی نہیں کی ہے،لیکن اگر کسی کو مجھ سے شکایت ہے تو وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو جس شخص کو اپنے بارے میں کچھ اندیشہ ہو، وہ اٹھ کر بیان کرے، میں اس کے لیے دعا کروں گا۔'' ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا:''اے اللہ کے رسول! میں جھوٹا ہوں، بدگو ہوں، بہت زیادہ سوتا ہوں۔'' نبی ﷺ نے اس کے حق میں دعا کی:''اے اللہ! اسے سچائی اور ایمان کی توفیق عطا فرما اور اس کی نیند دور کر دے۔'' ایک دوسرا شخص اٹھا اور کہنے لگا:''اے اللہ کے رسول! میں جھوٹا ہوں، منافق ہوں، میں نے ہر طرح کا گناہ کیا ہے۔'' حضرت عمر بن الخطابؓ نے اس سے کہا:''تم نے اپنے آپ کو رسوا کر دیا۔'' نبی ﷺ نے فرمایا:''اے ابن خطاب! دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے ہلکی ہے۔اے اللہ، اسے سچائی اور ایمان کی توفیق عطا فرما اور اس کا معاملہ بہتر فرما۔''

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ بہت ضعیف ہے۔اسے عقیلیؒ نے الضعفاء میں اور بیہقیؒ نے الدلائل میں قاسم بن یزید بن عبداللہ بن قسیط عن ابیہ عن عطاء عن ابن عباس عن اخیہ الفضل کی سند سے روایت کیا ہے۔علی بن المدینی نے فرمایا ہے: ''میرے نزدیک عطاء سے مراد عطاء بن یسار ہیں۔'' حالاں کہ اس روایت کی اصل نہ عطاء بن ابی رباح کی حدیث میں ہے نہ عطاء بن یسار کی حدیث میں۔میرا گمان

ہے کہ یہ عطاء خراسانی ہے، اس لیے کہ وہ حضرت ابن عباسؓ سے مرسلاً روایت کرتا ہے۔ ذہبیؒ نے لکھا ہے: ''میرا گمان ہے کہ یہ روایت جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہے۔'' اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ (۲۳۱/۵) میں لکھا ہے: ''اس روایت کی سند اور متن دونوں میں شدید غرابت پائی جاتی ہے۔''

الی الرفیق الأعلی

(۷۳) حیاتِ نبویؐ کے آخری لمحات کا نقشہ کھینچتے ہوئے شیخ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے پہلو میں پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ اس میں اپنا ہاتھ ڈالتے، پھر اسے اپنے چہرے پر پھیر لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے: ''اللھم اَعِنّی علی سکرۃ الموت'' (اے اللہ! موت کی شدت برداشت کرنے میں میری مدد فرما)

اس حدیث کے سلسلے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ ضعیف ہے۔ اس کی تخریج ترمذیؒ (۱۲۸/۲) وغیرہ نے موسیٰ بن سرجس عن القاسم بن محمد عن عائشۃ کی سند کی ہے۔ ترمذیؒ نے فرمایا ہے: ''یہ حدیث غریب ہے۔'' یعنی ضعیف ہے۔ اس لیے کہ موسیٰ بن سرجس کو کسی نے ثقہ نہیں قرار دیا ہے، وہ مجہول ہے۔''

روایاتِ سیرت سے استفادہ

محمد الغزالیؒ کا نقطۂ نظر

(علامہ محمد ناصر الدین البانیؒ کی تخریجات وتنقیدات کو شیخ محمد الغزالیؒ نے شرحِ صدر کے ساتھ قبول کیا اور انہیں اپنی کتاب میں شاملِ اشاعت کیا، لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی وضاحت فرمائی کہ روایاتِ سیرت سے استفادہ کے معاملے میں ان کا نقطۂ نظر کچھ مختلف ہے۔ تکمیلِ فائدہ کی غرض سے سطورِ ذیل میں شیخ محمد الغزالیؒ کا نقطۂ نظر انہی کے الفاظ میں پیش کیا جارہا ہے۔ (مترجم))

مجھے خوشی ہے کہ کتاب فقہ السیرۃ کا یہ نیا ایڈیشن اس حال میں شائع ہورہا ہے کہ استاذ محدث علامہ شیخ محمد ناصر الدین البانیؒ نے اس کا مراجعہ کیا ہے۔ اس کتاب میں میری نقل کردہ احادیثِ نبویؐ پر انہوں نے جو تعلیقات پیش کی ہیں، میں نے ان سب کو درج کردیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس تنقید کو کتاب میں شامل کرکے اور اسے رضا کارانہ طور پر لکھنے والے کے لیے اظہارِ تشکر کرکے میں نے علمی حقیقت کو نمایاں کرنے اور تاریخی حقائق کو صحیح انداز میں پیش کرنے میں تعاون کیا ہے۔

مؤرخین، خواہ وہ سیرت نگاری کرنے والے ہوں یا دیگر انسانوں کے احوال اور زمانوں کے واقعات بیان کرنے والے، مصیبت یہ ہے کہ وہ تحقیق کو کم ہی بروئے کار لاتے ہیں اور بحث و تجزیہ کم ہی کرتے ہیں۔ قدیم اور جدید بہت سے مؤرخین مآخذ کی صحت اور معلومات کی درستگی کے معاملے میں کم وبیش اس غلطی میں مبتلا ہوئے ہیں۔ جب میں نے اپنے آقا اللہ کے رسول ﷺ کی سیرتِ طیبہ لکھنے کا آغاز کیا تو میں نے کوشش کی کہ اس معاملے میں افراط وتفریط سے پاک معتدل راہ اختیار کروں اور قابلِ قدر مصادر پر بھروسہ کروں۔ میرا خیال ہے کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب رہا ہوں۔ میں نے جن احادیث وروایات سے استفادہ کیا ہے وہ ہر صاحبِ بصیرت عالم کے نزدیک اطمینان بخش ہیں، لیکن کتاب کے قاری کی نظر سے جب شیخ ناصر الدین البانی

کے استدراکات گزریں گے تو اس کے دل میں میرے اس خیال کے بارے میں شک پیدا ہو جائے گا۔ اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے اس منہج کی وضاحت کردوں جسے میں نے اس کتاب کی تالیف کے دوران اختیار کیا ہے۔

کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دینے کے معاملے میں بسا اوقات علمائے سنت کے درمیان اختلاف ہوتا ہے۔ کسی حدیث کی سندوں کی تحقیق وتمحیص کے بعد شیخ ناصر فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے، حدیث میں رسوخ ومہارت کی بنا پر انہیں یہ رائے ظاہر کرنے کا حق ہے، یا کوئی حدیث جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے، لیکن میں اس حدیث کا متن دیکھتا ہوں تو مجھے اس کا مفہوم کتاب اللہ کی کسی آیت یا کسی صحیح حدیث کے مطابق نظر آتا ہے، اس صورت میں میں اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اور اسے نقل کرنے کو کچھ نقصان دہ خیال نہیں کرتا۔ اس لیے کہ اس حدیث کے ذریعے احکام وفضائل کے باب میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ یقینی مصادر میں پہلے سے ثابت شدہ کسی چیز کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر اس کتاب میں درج پہلی حدیث کو لیجیے جس کو استاذ البانی نے ضعیف قرار دیا ہے:

"أحبّوا الله لما يغدو كم به من نعمة، و أحبّوني بحبّ الله."

اللہ سے محبت کرو، اس لیے کہ وہ تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے اور اللہ سے محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو۔

استاذ محدث کا خیال ہے کہ اس حدیث کو اگرچہ ترمذیؒ نے 'حسن' اور حاکمؒ نے 'صحیح الاسناد' قرار دیا ہے، لیکن اس کے باوجود اسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں، لیکن ایک حدیث جس میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہو، اسے قبول کرنے میں توقف کرنے پر میں آمادہ نہ ہو سکا۔ اس لیے میں نے اسے درج کر دیا اور ایسا کرنے پر میں مطمئن ہوں۔

جہاں ایک طرف میں نے اس حدیث کو اس کے ضعف کے باوجود قبول کیا ہے، وہیں دوسری طرف بخاریؒ اور مسلمؒ کی بعض روایات کو قبول کرنے سے اعراض کیا ہے۔ مثال کے طور پر وہ روایت جس میں غزوۂ بنی المصطلق کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ صحیحین کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ بنی المصطلق پر اچانک حملہ کر دیا، جب کہ وہ لوگ

خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔ نہ ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی گئی تھی جسے قبول کرنے سے انہوں نے انکار کیا ہو اور نہ ان کے بارے میں کسی تشویش ناک بات کا علم ہوا تھا۔ ایسی صورت میں جنگ کا آغاز مسلمانوں کی جانب سے ہو، یہ چیز اسلام کی منطق میں ناپسندیدہ اور رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے بعید ہے۔ اس لیے میں نے یہ تسلیم نہیں کیا کہ جنگ اس طریقے سے برپا ہوئی ہو اور اختتام کو پہنچی ہو، بلکہ مجھے اس سیاق پر پورا اطمینان ہے جس کی روایت ابن جریرؒ نے کی ہے۔ اس روایت کو اگرچہ استاذ شیخ ناصر نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن اس میں جو بات بیان کی گئی ہے وہ اسلام کے یقینی اصول وقواعد سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ یعنی "لَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ" (البقرۃ:۱۹۳) (ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں) غافل اور پرامن رہنے والوں کے خلاف جنگ برپا کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

صحیحین کی یہ حدیث ایسی صورت میں قابلِ قبول ہو سکتی ہے جب ہم یہ کہیں کہ اس میں جنگ کے دوسرے مرحلے کا بیان ہے کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان جنگ برپا ہونے کے بعد، جب دونوں فریقوں میں سے ہر ایک دوسرے پر اچانک حملہ کرنے کی فکر میں اور اسے نقصان پہنچانے کے لیے کوشاں تھا، اسی دوران کسی موقع سے ان پر اچانک حملہ کیا گیا۔ جنگ میں دشمن کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے دشمن کی غفلت سے فائدہ اٹھایا اور اچانک حملہ کر کے ان پر غلبہ حاصل کر لیا۔ ایسی حالت میں ضروری ہے کہ بخاری ومسلم کی روایت کی تمہید کے طور پر ایسی بات کہی جائے جو ابن جریرؒ کی نقل کردہ روایت کے مثل ہو جسے شیخ ناصر نے کم زور قرار دیا ہے۔

یہ میں نے کوئی نرالا منہج نہیں اختیار کیا ہے۔ بیش تر علماء نے ضعیف اور صحیح مرویات کے قبول ورد میں یہی طریقہ اپنایا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ضعیف حدیث اگر اسلام کے عام اصول اور جامع قواعد سے ہم آہنگ ہو تو وہ قابلِ قبول ہے۔ اسلام کے یہ اصول وقواعد بدیہی طور پر کتاب وسنت سے مستفاد ہیں۔ اسی مبنی بر انصاف نقطۂ نظر کی روشنی میں میں نے وہ روایت قبول کی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت حبابؓ سے مشورہ کیا تھا اور ان کے مشورہ کے مطابق عمل کیا تھا، اگرچہ محدثین نے اس روایت کی سند کو کم زور قرار دیا ہے۔ اس روایت کو قبول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان فضائل کے دائرے میں ہے جن کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ اس لیے اسے نقل کرنے سے میں نے احتراز نہیں کیا۔

یہ وضاحت تو ضعیف احادیث کے تعلق سے ہے۔ جہاں تک صحیح احادیث کا معاملہ ہے تو ان کی دلالتوں میں تفاوت پایا جاتا ہے اور ان میں سے کچھ کو راجح قرار دینے اور کچھ کو قبول نہ کرنے کا وسیع میدان ہے، جیسا کہ استاذ حدیث (ناصر الدین البانی) بخوبی جانتے ہیں۔ ہر امام فقیہ نے بعض صحیح روایات کو قبول نہیں کیا ہے، اس لیے کہ اس کی نظر میں کچھ دوسری روایات زیادہ صحیح تھیں۔

معاذ اللہ، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم سنت کے خلاف فتنہ انگیزی کر رہے ہیں۔ یقینی طور پر سنت اسلام کی دوسری بنیاد ہے۔

احادیث کا تتبع کرنے سے میں نے پایا کہ مجموعی طور پر احادیث قرآن کریم کی اس تعلیم سے ہم آہنگ ہیں کہ جنگ اس وقت کی جائے گی جب اسلام کی دعوت پہنچائی جا چکی ہو، کوئی عذر نہ باقی بچا ہو اور اللہ کا دین اتنی وضاحت سے سامنے آ چکا ہو کہ غموض و ابہام کا کوئی شائبہ نہ رہا ہو، پھر میں کوئی ایسی روایت کیسے قبول کر سکتا ہوں جس سے اس کے برخلاف کسی بات کا گمان ہوتا ہو؟!

اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں اپنے نبی کو یہ حکم دیا ہے:

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَاۗءٍ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝

(الانبیاء: ۱۰۸-۱۰۹)

''کہو'' میرے پاس جو وحی آتی ہے وہ یہ ہے کہ تمہارا خدا صرف ایک خدا ہے، پھر کیا تم سر اطاعت جھکاتے ہو۔'' اگر وہ منہ پھیریں تو کہہ دو کہ میں نے علی الاعلان تم کو خبردار کر دیا ہے، اب یہ میں نہیں جانتا کہ وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے قریب ہے یا دور؟''

یہ ایسا اعلانِ عام ہے جس سے داعی اور مدعو دونوں واقف ہو جائیں۔ نبی ﷺ نے اپنے غزوات میں اور آپؐ کے بعد خلفاء نے اپنے معرکوں میں اسی طریقے کو اختیار کیا ہے۔ انہوں نے جنگ سے پہلے اسلامی دعوت کی اچھی طرح وضاحت کر دی ہے اور لوگوں کو پورا موقع دیا ہے کہ وہ اسلام قبول کر لیں یا اسے رد کر دیں۔ اس کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص مجھے اس روایت کو قبول کرنے پر مجبور کر سکتا ہے جسے شیخین (بخاریؒ و مسلمؒ) نے عبداللہ بن عون سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے تحریری طور پر حضرت نافعؒ سے جنگ سے قبل اسلام کی دعوت پیش کرنے کے

سلسلے میں دریافت کیا؟ انہوں نے اپنے تحریری جواب میں فرمایا کہ ایسا ابتدائے اسلام (!) میں تھا، ورنہ آں حضرت ﷺ نے قبیلۂ بنی مصطلق پر اچانک، ان کی غفلت کی حالت میں، حملہ کیا تھا، ان کے جنگ جوؤں کو قتل کر دیا تھا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا تھا۔ اسی موقع پر حضرت جویریہؓ ملی تھیں۔ حضرت نافعؒ نے فرمایا کہ یہ بات مجھ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کی جو اس غزوہ میں شریک تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب العتق، باب من ملک من العرب رقیقاً، حدیث نمبر ۲۵۴۱، صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب جواز الاغارۃ علی الکفار......الخ، حدیث نمبر ۱۷۳۰)

جس طرح میں نے اس حدیث سے صرفِ نظر کیا ہے، اسی طرح اس حدیث کو بھی قبول نہیں کیا ہے جس میں ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر اپنے اصحاب کے درمیان خطبہ دیا اور انہیں قیامت تک برپا ہونے والے فتنوں اور انہیں برپا کرنے والوں کے بارے میں بتا دیا" اس لیے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت سے ثابت ہے کہ آں حضرت ﷺ کو غیبیات کا اتنا مفصل، ہمہ گیر اور عجیب و غریب علم نہیں دیا گیا تھا۔

میں نے سیرت نگاری میں اس منہج کو ترجیح دی ہے۔ میں نے اس روایت کو قبول کیا ہے جس کا متن اسلام کے ثابت شدہ قواعد و احکام سے ہم آہنگ ہو، خواہ اس کی سند کم زور ہو، اور دیگر ان احادیث سے صرفِ نظر کیا ہے جنہیں اگرچہ صحیح قرار دیا جاتا ہے، لیکن وہ میرے فہمِ دین اور منہجِ دعوت کی رو سے سیاقِ عام سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔

میں ضرورت نہیں سمجھتا کہ بہت سے ان امور میں، جن میں مجھے استاذ محدث (ناصر الدین البانی) سے اختلاف ہے، اپنے نقطۂ نظر کی تفصیل سے وضاحت کروں، لیکن میں گنجائش پاتا ہوں کہ اپنی نقل کردہ نصوص پر ان کی تمام تعقیبات اور استدراکات کو درج کر دوں۔ میں ان کے تجر علمی کی بہت زیادہ قدر کرتا ہوں۔ وہ دینی مسائل کی تحقیق و تمحیص میں قابلِ احترام نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ قاری کا یہ حق ہے کہ میں نے جو مرویات بیان کی ہیں ان کے بارے میں ایک متشدد محقق کی رائے جان لے، خواہ مجھے اس سے اختلاف ہو یا اتفاق۔ اللہ تعالیٰ میراثِ نبوت کی حفاظت میں ان کی جد و جہد کو قبول کرے اور ہم سب کو سیدھے راستے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

فقہ السیرۃ النبویۃ (بوطی) کی روایات کا جائزہ

(۱) حلیمہ سعدیہ کے گھر میں

آں حضرت ﷺ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے:

''تمام اصحابِ سیر کا اتفاق ہے کہ قبیلۂ بنوسعد کے علاقے میں اس سال خشک سالی تھی، کھیتیاں سوکھ گئی تھیں اور چارہ نہ ملنے کی وجہ سے جانور دودھ نہ دیتے تھے۔ آں حضرت ﷺ جوں ہی دائی حلیمہ کے گھر میں پہنچے اور ان کی گود میں سکون پایا، ان کے گھر کے اردگرد سبزی اور ہریالی آگئی۔ چنانچہ ان کی بکریاں روزانہ شام کو شکم سیر ہوکر آتی تھیں اور ان کی چھاتیاں دودھ سے بھری ہوتی تھیں۔''

علامہ البانیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں دو باتیں قابلِ گرفت ہیں:

اول: ڈاکٹر موصوف سے قبل کسی نے مذکورہ واقعہ کے سلسلے میں راویانِ سیرت کے اتفاق واجماع کا دعویٰ نہیں کیا، اس لیے اس دعویٰ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

دوم: یہ واقعہ کسی قوی سند سے مروی نہیں ہے۔

اس کی سب سے مشہور سند یہ ہے: ''محمد بن إسحاق عن جهم بن أبي جهم عن عبدالله بن جعفر عن حليمة بنت الحارث السعدية.''

اس سند سے اس کی تخریج ابویعلیٰؒ، ابن حبانؒ، ابونعیمؒ اور بیہقیؒ نے کی ہے۔ یہ سند ضعیف ہے۔ اس میں دو علتیں ہیں:

''ا۔ اس میں اضطراب ہے۔ اس کے ایک طریق میں عنعنہ ہے۔ دوسرے

طریق میں اگر چہ 'تحدیث' کی صراحت ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی مذکور ہے کہ جہم نے عبداللہ بن جعفر سے اور عبداللہ نے حلیمہ سے براہ راست نہیں سنا۔ اس طرح پہلے طریق میں ایک جگہ (ابن اسحاق اور جہم کے درمیان) اور دوسرے طریق میں دو جگہوں پر انقطاع ہے۔

۲۔ اس روایت کی بنیاد جہم بن ابی جہم پر ہے، جو ذہبیؒ کے مطابق مجہول ہے۔ ابن حبانؒ نے اگر چہ اس کا تذکرہ کتاب الثقات میں کیا ہے، لیکن ان کے بارے میں معروف ہے کہ وہ مجہول راویوں کو بھی ثقہ قرار دے دیتے ہیں۔ ابونعیمؒ نے اس واقعہ کو دو دیگر سندوں سے بھی روایت کیا ہے، لیکن دونوں میں واقدی ہے جو کذاب ہے۔''

'بحیرا' راہب کا واقعہ

(۲) ڈاکٹر بوطی نے بیان کیا ہے کہ جب آں حضرت ﷺ کی عمر بارہ سال تھی، آپ کے چچا ابوطالب آپ کو ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام لے گئے۔ راستے میں قافلہ نے 'بصریٰ' میں پڑاؤ ڈالا تو وہاں ''بحیرا'' نامی راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے آپ ﷺ کے اندر نبوت کی علامات دیکھیں تو ابوطالب کو مشورہ دیا کہ آپ ﷺ کو یہود کے شر سے بچائیں اور مکہ واپس لے جائیں۔ اس واقعہ پر ڈاکٹر موصوف نے یہ حاشیہ لگایا ہے:

''سیرت ابن ہشام (۱۸۰/۱) باختصار، اس روایت کو امام طبریؒ نے اپنی تاریخ (۲۸۷/۲) میں، بیہقیؒ نے سنن میں اور ابونعیمؒ نے حلیۃ میں روایت کیا ہے۔ ان روایات کی تفصیل میں کچھ اختلاف ہے۔ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے دوسرے انداز سے مفصل نقل کیا، لیکن شاید اس کی سند میں کچھ ضعف ہے، اسی لیے انہوں نے خود بھی لکھا ہے: ''یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔'' اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن غزوان ہے۔ اس کے بارے میں 'المیزان' میں تحریر ہے: ''اس سے بعض منکر احادیث مروی ہیں۔ ان میں سب سے منکر حدیث

وہ ہے جو اس نے یونس بن ابی اسحاق سے روایت کی ہے اور جس میں نبی ﷺ کی نوعمری میں ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر کا بیان ہے۔'' اور ابن سید الناسؒ نے لکھا ہے: ''اس روایت کے متن میں بعض منکر باتیں ہیں (دیکھئے عیون الاثر ۴۳/۱)

عجیب بات یہ ہے کہ اس کے باوجود شیخ ناصر الدین البانیؒ نے (جنھوں نے شیخ محمد غزالیؒ کی کتاب فقہ السیرۃ کی احادیث کی تخریج کی ہے) اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے: ''اس کی سند صحیح ہے۔'' انہوں نے امام ترمذیؒ کا تبصرہ بھی مکمل نقل نہیں کیا ہے، بلکہ اس کا صرف اتنا حصہ دیا ہے: ''یہ حدیث حسن ہے۔'' حالاں کہ ان کی عادت ہے کہ وہ اس سے کہیں زیادہ صحیح حدیث کو بھی بسا اوقات ضعیف قرار دے دیتے ہیں۔ جہاں تک قدر مشترک کا تعلق ہے وہ بہت سے طرق سے ثابت ہے اور اس میں کوئی ضعف نہیں ہے۔''

علامہ البانیؒ کے نزدیک اس حاشیہ میں متعدد باتیں قابلِ گرفت ہیں:

اول: اس واقعہ کو بوطی نے ابن ہشامؒ سے نقل کیا ہے، جب کہ ابن ہشامؒ نے اسے بلا سند روایت کیا ہے۔ دوسروں کے یہاں یہ سند کے ساتھ مروی ہے، اس لیے ان کا حوالہ دینا بہتر تھا۔

دوم: یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اس کی روایت تفصیل سے صرف ترمذیؒ نے کی ہے۔ اسی قدر تفصیل سے طبریؒ نے بھی اپنی تاریخ میں اسے نقل کیا ہے۔

سوم: اس کی روایت بیہقیؒ نے اپنی سنن میں اور ابو نعیمؒ نے اپنی کتاب الحلیۃ میں نہیں کی ہے، بلکہ ہر ایک نے اسے اپنی کتاب 'دلائل النبوۃ' میں روایت کیا ہے۔

چہارم: امام ترمذیؒ کے اس حدیث کو ''حسن غریب'' کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ ان کے نزدیک ضعیف ہے۔ وہ بعض احادیث کے بارے میں ''حسن'' کہتے ہیں اور بعض کے بارے ''حسن غریب'' اور اہل علم جانتے ہیں کہ ان کی اصطلاحات میں ''حدیث حسن غریب''، ''حدیث حسن'' کے مقابلے میں زیادہ قوی ہوتی ہے۔

پنجم: ابن غزوان کے بارے میں ذہبیؒ کا یہ کہنا ہے کہ ان سے بعض منکر (عجیب

وغریب) روایتیں مروی ہیں، اس روایت کے بارے میں ایسی جرح نہیں ہے جو اسے درجۂ ثبوت سے گرا دے۔ خود ذہبیؒ نے المیزان میں لکھا ہے: ''ہر وہ شخص جو منکر روایتیں کرے، ضعیف نہیں ہوتا۔'' ابن غزوان کو علی بن المدینیؒ، ابن نمیرؒ، یعقوب بن شیبہؒ اور دار قطنیؒ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ان سے روایت لی ہے۔

ششم: ابن سید الناسؒ نے کہا ہے کہ ''اس روایت کے متن میں عجیب وغریب بات ہے،'' اس کے باوجود انہوں نے ابن غزوان کو ضعیف نہیں قرار دیا ہے، بلکہ انہیں ثقہ کہا ہے اور لکھا ہے کہ بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ان سے روایت لی ہے۔

ہفتم: اس روایت کی سند کو صرف میں نے ہی صحیح نہیں قرار دیا ہے، بلکہ اسے صحیح کہنے والوں میں ترمذیؒ، حاکمؒ، ابن سید الناسؒ، جزریؒ، ابن کثیرؒ، عسقلانیؒ اور سیوطیؒ بھی ہیں، البتہ ابن سید الناسؒ اور جزریؒ کے مثل میں نے بھی متن کے ایک جملہ کو (جس میں ابوبکرؓ اور بلالؓ کا تذکرہ ہے) غیر محفوظ قرار دیا ہے۔

ہشتم: یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ واقعہ بحیثیت مجموعی متعدد قوی طرق سے ثابت ہے۔ حقیقت میں یہ واقعہ صرف ابوموسیٰ کی سند سے مروی ہے۔ اسے ابن کثیرؒ نے صحیح ترین، اور دیگر ائمہ متقدمین ومتاخرین نے صحیح قرار دیا ہے۔

اس واقعہ کے بارے میں میں نے اپنے دو مقالات میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ ملاحظہ کیجئے: ''حديث تظليل الغمام له أصل أصيل'' شائع شدہ مجلہ المسلمون، محرم ۱۳۷۹ھ، جلد ۶ شمارہ ۸، اور ''حادثة الراهب بحيرا حقيقة لا خرافة'' مجلہ التمدن الاسلامی دمشق، جلد ۲۶، شمارہ ۳، ۱۳۷۹ھ، ص ۱۶۷-۱۷۵۔

قبلِ بعثت لہو ولعب کی مجلسوں سے دوری

(۳) ڈاکٹر بوطی نے آں حضرت ﷺ کی قبلِ بعثت زندگی کے حالات بیان کرتے ہوئے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے، جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے دو مرتبہ مکہ میں لہو ولعب کی

مجلسوں میں شرکت کا ارادہ کیا، لیکن قدرتِ الٰہی سے یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا اور آپ ﷺ محفوظ رہے۔ اس پر ڈاکٹر موصوف نے حاشیہ میں لکھا ہے:

''اس حدیث کو ابن اثیرؒ اور حاکمؒ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت کیا ہے۔ حاکمؒ نے لکھا ہے: ''یہ حدیث صحیح اور مسلم کی شرط پر ہے۔'' طبرانیؒ میں یہ حضرت عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے۔''

اس کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ حدیث ضعیف ہے، اگرچہ حاکمؒ نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ حاکمؒ روایات کو صحیح قرار دینے میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ اس سند میں دو علتیں ہیں۔ (ملاحظہ کیجئے: تخریج فقه السيرة للغزالی ص ۳۲-۳۳)[۱]

حافظ ابن کثیرؒ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے: ''یہ حدیث بہت غریب ہے، ممکن ہے کہ حضرت علیؓ پر موقوف ہو۔'' رہی طبرانیؒ کی روایت، جو حضرت عمار بن یاسرؓ سے مروی ہے، تو اس کی سند میں کئی راوی غیر معروف ہیں، جیسا کہ ہیثمیؒ نے ''مجمع'' میں ذکر کیا ہے۔ اور ابن کثیرؒ کی تاریخ میں یہ روایت بلا سند ہے، جس کا کوئی اعتبار نہیں۔''

فترۂ وحی میں آں حضرت ﷺ کا اضطراب

(۴) فترۂ وحی میں آں حضرت ﷺ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے:

''اس کے بعد ایک طویل عرصہ تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا، جس کے سبب آپ ﷺ پر اتنی گھبراہٹ طاری ہونے لگی کہ۔ امام بخاریؒ کی روایت کے مطابق۔ آپ ﷺ کوشش کرتے کہ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا لیں۔''

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''بخاریؒ کی جانب اس بات کا انتساب فاش غلطی ہے۔ اس سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ ''پہاڑ کی چوٹی سے خود کو گرا لینے'' کی یہ بات بخاری کی شرط پر صحیح ہے،

---

(۱) ملاحظہ کیجئے اس کتاب کے جزء اول کا اقتباس نمبر ۵۔

حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسے امام بخاریؒ نے کتاب بدء الوحی میں حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث کے آخر میں روایت کیا ہے۔ یہی حدیث امام بخاریؒ نے کتاب التعبیر کے شروع میں معمرؒ کی سند سے روایت کی ہے۔ اس میں زہریؒ نے عروہ کے واسطے سے حضرت عائشہؓ سے پوری روایت کی ہے۔ آخر میں ہے:

"حتی حزن النبی ﷺ -فیما بلغنا- حزنا غدا منه مرارا کی یتردی من رؤس شواهق الجبال" اس اضافہ کے ساتھ اس روایت کو احمدؒ نے مسند اور ابونعیمؒ اور بیہقیؒ میں سے ہر ایک نے اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں عبدالرزاق عن معمر کی سند سے نقل کیا ہے۔ اس سند سے مسلمؒ نے بھی روایت کیا ہے، لیکن انہوں نے اس کے الفاظ نقل نہیں کیے ہیں، بلکہ یونس عن ابن شہاب کا حوالہ دیا ہے اور اس میں یہ اضافہ نہیں ہے۔ اسی طرح مسلمؒ اور احمدؒ نے عقیل بن خالد عن ابن شهاب کی سند سے بغیر اضافہ کے روایت کیا ہے۔ اسی طرح اسے بخاریؒ نے بھی عقیل کی سند سے روایت کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس اضافہ میں دو علتیں ہیں:

۱۔ یہ اضافہ صرف معمر کی روایت میں ہے، یونس اور عقیل کی روایتوں میں نہیں ہے۔ اس بنا پر یہ روایت شاذ ہوئی۔

۲۔ یہ روایت مرسل اور معضل ہے۔ ظاہر ہے کہ "فیما بلغنا" کے قائل زہریؒ ہیں۔ اسی بنا پر ابن حجرؒ نے قطعیت سے کہا ہے: "یہ روایت زہری کی بلاغات میں سے ہے، موصول نہیں ہے۔"

تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: سلسلة الاحادیث الضعیفة، حدیث نمبر: ۴۸۵۸، مختصر صحیح البخاری ۱/۵۔"

وحی الٰہی میں شک کا مسئلہ

(۵) آغاز وحی کی بحث میں ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے کہ فریضۂ نبوت کی انجام دہی کے

لیے ضروری تھا کہ آپ ﷺ کو وحی کے معاملے میں ادنیٰ سا شک نہ ہو۔ اس سیاق میں یہ آیت نقل کی ہے:

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ○ (یونس:۹۴)

''اب اگر تجھے اس ہدایت کی طرف سے کچھ بھی شک ہو جو ہم نے تجھ پر نازل کی ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو پہلے سے کتاب پڑھ رہے ہیں۔ فی الواقع یہ تیرے پاس حق ہی آیا ہے تیرے رب کی طرف سے، لہٰذا تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔''

اس کے بعد لکھا ہے:

''اسی لیے روایت میں آتا ہے کہ یہ آیت نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہ مجھے شک ہے اور نہ میں کسی سے پوچھوں گا (یہ روایت ابن کثیرؒ نے قتادہؓ سے نقل کی ہے۔ روی ابن کثیر عن قتادة)

علامہ البانیؒ نے اس پر لکھا ہے:

''اس سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ ابن کثیرؒ نے اسے اپنی سند پر روایت کیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اسے ابن کثیرؒ نے بلاسند حضرت قتادہؓ سے روایت کیا ہے۔ قتادہؓ نے اسے کسی صحابی سے نہیں سنا ہے۔ اس طور پر یہ حدیث مرسل ہوئی، جو ضعیف کی ایک قسم ہے۔ ابن جریر طبریؒ نے اسے اپنی تفسیر میں دو سندوں سے قتادہؓ سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت موصولاً بھی مروی ہے، لیکن اس کے الفاظ کچھ مختلف ہیں۔ سیوطیؒ نے الدر المنثور میں ذکر کیا ہے کہ ابن منذرؒ، ابن ابی حاتمؒ اور ابن مردویہؒ نے اور ضیاء مقدسیؒ نے المختارۃ میں حضرت ابن عباسؓ سے آیت: ''فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو نہ شک ہوا اور نہ آپ ﷺ نے کسی سے سوال کیا۔''

خدمتِ نبوی میں پہلا وفد

(٦) ڈاکٹر بوطی ایک جگہ لکھتے ہیں:

''نبی ﷺ کی خدمت میں مکہ کے باہر سے ایک وفد حاضر ہوا۔ یہ لوگ حبشہ کے نصاریٰ تھے جو حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی مکہ واپسی پر ان کے ساتھ آئے تھے۔ ان کی تعداد تیس سے کچھ زائد تھی۔ ان لوگوں کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

''اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ...... القصص: ۵۲-۵۵۔''

اس روایت کو ابن اسحاقؒ اور مقاتلؒ نے اور طبرانیؒ نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے۔ نیز دیکھئے ابن کثیرؒ، قرطبیؒ اور نیساپوریؒ کی تفسیریں۔''

ان روایات کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ تمام روایات مرسل ہیں۔ ابن اسحاقؒ نے بھی اسے تعلیقاً (بلاسند) روایت کیا ہے۔ یہ آیات کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں اور ان کی تعداد کتنی تھی؟ اس سلسلے میں بھی ان روایات میں اختلاف ہے۔ سعید بن جبیرؒ کے واسطے سے طبرانیؒ کی روایت کو ہیثمیؒ نے 'مجمع' میں نقل نہیں کیا ہے۔ پتہ نہیں یہ نسبت صحیح ہے یا نہیں؟ الدر المنثور کے مطابق اسے سعیدؒ کے واسطے سے ابن ابی حاتمؒ نے روایت کیا ہے۔ ابن اسحاقؒ کی روایت میں ان لوگوں کی تعداد بیس مذکور ہے۔ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ابن اسحاقؒ سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ قطعیت کا فائدہ نہیں دیتے:

و يقال: ان النفر من النصارى من أهل نجران. فالله أعلم أى ذلك كان فيقال - و الله اعلم - فيهم نزلت هذه الآيات: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ.

غم کا سال

(۷) بعثتِ نبویؐ کے دسویں سال حضرت خدیجہؓ اور جناب ابوطالب کی وفات کے

تذکرے کے بعد ڈاکٹر بوطی لکھتے ہیں:

''اس سال نبی ﷺ نے راہِ دعوت میں شدید تکلیفیں جھیلیں، جس کی بنا پر آپ ﷺ نے اسے ''غم کا سال'' قرار دیا۔''

اس پر علامہ البانیؒ نے یہ نقد کیا ہے:

''ڈاکٹر بوطی نے اس بات کا کوئی حوالہ نہیں دیا کہ اس کی صحت کی تحقیق کی جا سکے۔ کتبِ سیرت میں تلاش و تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ واحد ماخذ جس میں اس کا تذکرہ ملتا ہے، قسطلانی کی المواهب اللدنية ہے جس میں صاعد کے حوالے سے یہ بات کہی گئی ہے۔ زرقانیؒ کی شرح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد صاعد بن عبید البجلی ہے۔ یہ شخص مجہول ہے، کسی نے اس کی توثیق نہیں کی ہے، بلکہ حافظ ابن حجرؒ نے اشارہ کیا ہے کہ اگر تائید میں کوئی دوسری روایت نہ ہو تو اس کی روایت کم زور ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ قسطلانیؒ کے اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ صاعد نے یہ روایت معلّق (بلا سند) ذکر کی ہے۔ اس بنا پر اگر صاعد معروف اور ثقہ ہو تو بھی یہ روایت ضعیف ہوگی۔

وفاتِ ابوطالب کے بعد کے حالات

(۸) جناب ابوطالب کی وفات کے بعد کے حالات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر بوطی لکھتے ہیں:

''ابن ہشامؒ کہتے ہیں: ایک روز قریش کے ایک اوباش نے سرِ بازار آپؐ کے سرِ مبارک پر مٹی ڈال دی۔ آپؐ اسی حال میں گھر تشریف لائے۔ ایک صاحب زادی نے سر دھلایا۔ دھلاتے ہوئے وہ روتی جاتی تھیں اور آپؐ انہیں تسلی دینے کے لیے فرماتے جاتے تھے: ''رو نہیں میری بیٹی! اللہ تیرے باپ کا حامی ہے۔'' اسے ابن اسحاقؒ نے روایت کیا ہے، نیز دیکھیں تاریخ طبری ۲/۳۴۴۔''

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''یہ روایت ابن ہشامؒ نے ابن اسحاقؒ کی سند سے عروہ بن زبیرؓ سے کی ہے۔ عروہ تابعی ہیں، اس لیے یہ روایت مرسل ہے اور مرسل ضعیف کی اقسام میں سے ہے۔ یہ روایت چوں کہ سند کے ساتھ مذکور ہے اس لیے "یقول ابن هشام" کے بجائے "روی ابن هشام" کہنا چاہیے۔ محدثین "یقول" اس راویت کے ساتھ کہتے ہیں جو معلق بلا سند مروی ہو۔''

سفرِ طائف

(۹) ڈاکٹر بوطی نے آں حضرت ﷺ کے سفرِ طائف کے ضمن میں تفصیل سے بیان کیا ہے کہ کس طرح آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے اور قبیلۂ ثقیف کو اسلام کی دعوت دی، کس طرح ان کے اوباشوں نے پتھروں سے آپ ﷺ کا سرِ مبارک زخمی کر دیا، آپ نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی: ''خداوند! میں تیرے حضور اپنی بے بسی و بے چارگی اور لوگوں کی نگاہ میں اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔'' کس طرح عداس نامی عیسائی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کی باتیں سن کر آپ ﷺ کے سر اور ہاتھ پیر کو بوسہ دینے لگا۔ ان تفصیلات کے لیے انہوں نے طبقات ابن سعد اور سیرت ابن ہشام کا حوالہ دیا ہے۔

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''طبقات ابن سعد میں یہ واقعہ بہت اختصار کے ساتھ مذکور ہے اور وہ بھی محمد بن عمر واقدی کی زبانی بلاسند۔ اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک واقدی متروک ہے۔ سیرتِ ابن ہشام میں یہ واقعہ ابن اسحاقؒ کی مرسل سند سے مروی ہے۔ طبرانیؒ نے اس واقعہ کو اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اس کی روایت ابن اسحاقؒ کی سند سے عبداللہ بن جعفر سے کی ہے۔ ابن اسحاقؒ مدلّس ہیں اور اس روایت میں عنعنہ ہے، اسی لیے اس روایت کو میں نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(ملاحظہ کیجئے: تخریج فقه السيرة للغزالی ص۱۳۲)''[۱]

---

(۱) ملاحظہ کیجئے جزءِ اول کا اقتباس نمبر ۱۵

مشروعیتِ نماز سے قبل آں حضرت ﷺ کے معمولات

(۱۰) ڈاکٹر بوطی نے ایک جگہ لکھا ہے:

''نماز کی مشروعیت سے قبل آپ ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح دو رکعت صبح اور دو رکعت شام کو ادا فرماتے تھے۔''

اس پر علامہ البانی فرماتے ہیں:

''اس بات کا ڈاکٹر موصوف نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ ابن سید الناسؒ نے ''عیون الاثر'' میں مقاتل بن سلیمانؒ کے حوالے سے لکھا ہے: ''اللہ نے ابتدائے اسلام میں دو رکعت نماز صبح اور دو رکعت شام کو فرض کی۔ پھر شبِ معراج میں پانچ نمازیں فرض کیں'' یہی بات انہوں نے 'حربی' کے حوالے سے نقل کی ہے۔ ساتھ ہی ابن عبداللہ کا یہ قول نقل کیا ہے: ''یہ بات کسی صحیح حدیث میں نہیں ملتی'' پھر ابن سید الناسؒ نے حربی کے قول کے ضعیف ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے۔

محدثین کے نزدیک مقاتل بن سلیمان متروک اور بہت ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے: ''محدثین نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے، اسے چھوڑ دیا ہے اور اسے عقیدۂ 'تجسیم' کا قائل قرار دیا ہے۔''

معراجِ نبویؐ کی تفصیلات

(۱۱) اسراء و معراج کی بحث میں ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے:

''واقعہ اسراء و معراج کی تفصیلات جاننے کی کوشش میں 'معراجِ ابن عباس' جیسی کتابوں سے دور رہنا چاہئے۔ یہ کتاب جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اس میں ایسی موضوع احادیث ہیں جن کی کوئی اصل ہے نہ کوئی سند۔''

علامہ البانیؒ اس بات سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں:

''یہ بات کلی طور پر صحیح نہیں ہے۔ 'معراج ابن عباس' نامی کتاب کے بہت سے بیانات صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(الف) براق کے بارے میں ہے: یہ ایک جانور کے مثل سواری تھی جس کی جسامت گدھے سے بڑی اور خچر سے چھوٹی تھی۔

(ب) ایک جگہ ہے: جبرئیل نے دروازہ کھٹکھٹایا تو دریافت کیا گیا: کون؟ جواب دیا: جبرئیل۔ دریافت کیا گیا: تمہارے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا: محمدؐ۔ پھر دریافت کیا گیا: کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جواب دیا: ہاں۔ کہا گیا: ''تمہیں اور تمہارے رفیق دونوں کو خوش آمدید۔''

(ج) ایک جگہ ہے: اللہ تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ سے فرمایا: ''میں نے تم پر اور تمہاری امت پر ایک دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔''

(د) ایک حدیث میں ہے: ''تمہاری امت کے اکثر افراد زخم کھا کر اور طاعون کا شکار ہو کر مریں گے۔

اول الذکر تین بیانات صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ یہ احادیث صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے اور میں نے ''سلسلة الأحاديث الصحيحة'' میں ان کی تخریج کر دی ہے۔ اور چوتھا بیان حضرت عائشہؓ سے مروی مرفوع صحیح حدیث میں مذکور ہے جسے امام احمدؒ نے اپنی مسند (۶/ ۱۴۵، ۱۳۳، ۲۵۵) میں روایت کیا ہے اور اس کے بہت سے شواہد ہیں جن کی تخریج میں نے اپنی کتابوں ''الروض النضير'' (ص۵۲۶) اور ''ارواء الغليل'' (ص ۱۶۳۶) میں کر دی ہے۔

ایامِ حج میں مختلف قبائل کے افراد سے آں حضرت ﷺ کی ملاقاتیں

(۱۲) ڈاکٹر بوطی نے 'قبائل سے ایامِ حج میں آں حضرت ﷺ کی ملاقاتیں' کے ضمن میں لکھا ہے:

''ابن سعد اپنی کتاب الطبقات (۱/ ۲۰۰-۲۰۱) میں فرماتے ہیں: رسول اللہ

ﷺ ہر سال حج کے موقع پر ہر قبیلے کے پڑاؤ پر تشریف لے جاتے اور قبیلہ سے فرماتے تھے: ''لوگو! کہو کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے، کامیاب ہو جاؤ گے، عرب کا اقتدار تمہارے ہاتھوں میں ہوگا اور عجم تمہارے زیر نگیں ہوں گے اور اگر تم ایمان لے آؤ گے تو جنت میں بادشاہ ہو گے۔'' آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے ابولہب ہوتا جو کہتا: ''اس کی بات نہ ماننا، یہ گمراہ اور جھوٹا ہے۔''

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''ڈاکٹر بوطی نے اس بیان کے لیے محدثانہ تعبیر اختیار نہیں کی ہے۔ اگر کوئی روایت بلا سند مذکور ہو تو محدثین ''قال'' استعمال کرتے ہیں اور اگر سند بھی مذکور ہو تو ''روی'' لاتے ہیں۔ زیر بحث روایت چوں کہ ابن سعد نے سند کے ساتھ بیان کی ہے اس لیے ''یقول ابن سعد'' کے بجائے ''یروی ابن سعد'' لکھنا چاہئے تھا۔

دوسرے یہ کہ ابن سعد نے یہ روایت اپنے شیخ محمد بن عمر سے متعدد سندوں سے بیان کی ہے جو سب کی سب مرسل ہیں اور اہل علم جانتے ہیں کہ محمد بن عمر سے مراد واقدی ہے جو متہم بالکذب ہے۔ امام ذہبیؒ نے اپنی کتاب 'الضعفاء و المتروکین' میں اس کے بارے میں لکھا ہے: ''نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ حدیثیں وضع کرتا ہے۔'' ابن عدیؒ نے کہا ہے: ''اس سے مروی احادیث محفوظ نہیں ہیں، ساری مصیبت اسی کی وجہ سے ہے۔'' حافظ ابن حجرؒ نے التقریب میں لکھا ہے: ''واقدی اپنی وسعتِ علم کے باوجود متروک ہے۔'' یعنی روایت کے سلسلے میں وہ بہت زیادہ ضعیف ہے۔ اگر چہ ابن سید الناسؒ نے اپنی کتاب ''عیون الاثر'' کے مقدمے میں واقدی کی توثیق کی ہے، لیکن یہ قدیم و جدید تمام ائمہ محققین کے خلاف ہے۔ امام شافعیؒ، ابوداؤدؒ اور ابوحاتمؒ نے بھی اس کو متہم قرار دیا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں: ''وہ بڑا جھوٹا ہے۔''

البتہ اس حدیث کی تخریج امام احمدؒ نے اپنی مسند (۴۹۲/۳، ۶۳/۴، ۳۴۱، ۳۷۶/۵) میں کی ہے۔ بیہقیؒ نے یہ روایت کئی سندوں سے متعدد صحابہ سے نقل کی

ہے۔ایک سند ابن اسحاقؒ نے اپنی کتاب السیرۃ (۶۴/۲-۶۵) میں بیان کیا ہے۔ احمدؒ کی بیان کردہ سندوں میں سے ایک صحیح ہے۔اس کی تخریج بیہقیؒ نے بھی کی ہے، جیسا کہ ''البدایۃ'' (۱۳۹/۳) میں ہے۔اس کے ابتدائی حصے کی ایک شاہد روایت مستدرک حاکم (۲۶۴/۲) میں حضرت جابرؓ سے بہ تفصیل مروی ہے، جس کو ذہبیؒ نے صحیح قرار دیا ہے۔اس لیے ڈاکٹر بوطی کو مذکورہ روایت واقدی کی سند سے بیان کرنے کے بجائے مذکورہ سندوں میں سے کسی سند سے بیان کرنی چاہیے تھی۔''

بیعتِ عقبہ

(۱۳) ڈاکٹر بوطی نے ایک جگہ لکھا ہے:

''ابن سعدؒ نے اپنی کتاب ''الطبقات'' میں حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں:'' جب مدینہ کے ستر مسلمان رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرکے واپس ہوئے تو آپ کو بہت خوشی ہوئی۔''

اس روایت کے بارے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''ڈاکٹر بوطی نے ''قال ابن سعد یروی'' کی تعبیر اختیار کی ہے۔یہ علمی تعبیر نہیں ہے، اس لیے کہ اس سے یہ پتا نہیں چلتا کہ یہ روایت مسند ہے یا معلق؟ دوسری بات یہ کہ ابن سعدؒ نے اسے واقدی کی سند سے روایت کیا ہے جو محدثین کے نزدیک متہم بالکذب ہے۔''

حضرت عمرؓ کی ہجرتِ مدینہ

(۱۴) ڈاکٹر بوطی نے 'ہجرتِ مدینہ' کی بحث میں لکھا ہے:

''تمام صحابہ نے خفیہ طریقے سے ہجرت کی، سوائے حضرت عمر بن الخطابؓ کے، کہ وہ علی الاعلان نکلے۔حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ'' جب حضرت عمر بن الخطابؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو گردن میں تلوار لٹکائی، کندھے پر کمان ڈالی،

ہاتھ میں چند تیر لیے، کمر میں نیزہ لگایا اور خانۂ کعبہ کی طرف گئے...... اس کے بعد ایک جگہ کھڑے ہو کر فرمایا...... جو شخص بھی چاہتا ہے کہ اس کی ماں اس پر روئے، اس کے بچے یتیم ہو جائیں اور اس کی بیوی بیوہ ہو جائے وہ مجھ سے اس وادی کے بعد آ کر ملے۔'' حضرت علیؓ فرماتے ہیں: کسی نے ان کا پیچھا کرنے کی جرأت نہیں کی۔ صرف کچھ کم زور قسم کے لوگ ان کے پاس گئے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں جو کچھ بتانا تھا بتایا، پھر مدینہ کی راہ لی۔'' (اسد الغابہ ۴/ ۵۸)

اس سلسلے میں علامہ البانیؒ نے دو باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے:

''اول: ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے علاوہ کسی صحابی نے علی الاعلان ہجرت نہیں کی۔ اس کی دلیل کیا ہے؟ حضرت علیؓ کی مذکورہ روایت میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بطور دلیل یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کسی اور صحابی کے بارے میں اس کے علی الاعلان ہجرت کرنے کا علم نہیں ہے۔ اس لیے کہ عدمِ علم عدمِ وقوع پر دلالت نہیں کرتا۔

دوم: قطعیت کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت عمرؓ نے علانیہ ہجرت کی تھی اور نہ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ بات حضرت علیؓ نے فرمائی ہے۔ اس لیے کہ مذکورہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اس کی سند میں مذکور ہے: "الزبير بن محمد بن خالد العثماني، حدثنا عبدالله بن القاسم الأملي (الايلي؟) عن أبيه۔ یہ تینوں راوی مجہول ہیں۔ ائمہ جرح و تعدیل نے ان کا مطلق تذکرہ نہیں کیا ہے۔''

ہجرتِ نبویؐ

(۱۵) ہجرتِ نبویؐ کے ذیل میں ڈاکٹر بوطی لکھتے ہیں:

''حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم پہنچایا اور ہدایت کی کہ آج رات اپنے بستر پر نہ سوئیں۔'' (سیرت ابن ہشام ۱/ ۱۵۵، طبقات ابن سعد ۱/ ۲۱۲)

اس روایت کے سلسلے میں علامہ البانیؒ نے فرمایا ہے:

''مذکورہ دونوں ماخذوں میں یہ روایت قوی سندوں سے مروی نہیں ہے۔ ابن سعدؒ کے یہاں تو یہ واقدی سے مروی ہے جسے محدثین نے کذاب قرار دیا ہے اور ابن ہشامؒ نے اسے ابن اسحاقؒ کی سند سے روایت کیا ہے، اس میں ایک راوی کا نام مذکور نہیں ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: ''حدثني من لا أتهم من أصحابنا عن عبدالله بن أبي نجيح'' (مجھ سے ایک معتبر شخص نے عبداللہ بن ابی نجیح کے واسطے سے بیان کیا) یہ روایت ابونعیمؒ نے بھی دلائل النبوۃ (ص ۶۳) میں اس سند سے نقل کی ہے ''الفضل بن غانم قال حدثنا مسلمة بن الفضل عن محمد بن اسحاق قال حدثني عبدالله بن أبي نجيح عن مجاهد بن جبر الملي عن عبدالله بن عباس. اس سند میں فضل اور مسلمہ ضعیف ہیں اور ابن اسحاق کے مجہول شیخ کو بھی ساقط کر دیا گیا ہے۔

مدینہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال

(۱۶) ڈاکٹر بوطی لکھتے ہیں:

ابن ہشامؒ کی روایت میں ہے کہ بنو النجار کی بچیاں نکل آئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے اور ان کی بستی میں ٹھہرنے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے یہ گیت گانے لگیں:

نحن جوار من بني النجار يا حبّذا محمد من جار

''ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں، کیا ہی اچھے ہم سایے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں سے پوچھا: کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟'' انہوں نے عرض کیا: ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ جانتا ہے کہ میرا دل بھی تمہاری محبت سے لب ریز ہے۔''

اس واقعہ کے سلسلے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ بیان مجھے ابن ہشامؒ کی السیرۃ میں نہیں ملا۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اس سے ملتا جلتا بیان اپنی کتاب البدایۃ (۲۹۹/۳-۳۰۰) میں بیہقیؒ کی 'دلائل النبوۃ' سے نقل کیا ہے۔ بیہقیؒ نے اسے ابراہیم بن صرمۃ کی سند سے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اسے بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: ''ھذا حدیث غریب من ھذا الوجه'' (اس سند سے یہ حدیث غریب ہے) اس روایت کا ضعف ابن صرمہ کی وجہ سے ہے۔ ابن معینؒ نے اسے ''کذاب خبیث'' قرار دیا ہے۔ دوسروں نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔ ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں اور بیہقیؒ نے ایک دوسری سند سے حضرت انسؓ سے یہ روایت بیان کی ہے، لیکن اس میں یہ مذکور نہیں کہ یہ آں حضرت ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے وقت کا واقعہ ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ صحیح بخاری اور دیگر کتب میں حضرت انسؓ سے ایک تیسری سند سے مروی ہے کہ یہ ایک شادی کے موقع کا واقعہ ہے، لیکن اس میں رجز مذکور نہیں ہے۔''

آثارِ نبویؐ سے برکت حاصل کرنا

(۱۷) ڈاکٹر بوطی نے 'ہجرتِ نبوی' کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ صحابۂ کرام کس طرح نبی ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرتے تھے، مثلاً حضرت ابوایوب انصاریؓ اور ان کی بیوی حضور ﷺ کے پاس سے بچ کر آئے ہوئے کھانے میں آپ ﷺ کی انگلیوں کے نشان تلاش کرتے تھے اور حصولِ برکت کے لیے اسی جگہ سے کھاتے تھے جہاں سے آپؐ نے کھایا ہوتا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ آپؐ کے بال سے اور حضرت ام سلیمؓ آپؐ کے پسینے سے برکت حاصل کرتی تھیں۔ اس طرح کی روایات بیان کرنے کے بعد حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''شیخ ناصر الدین البانیؒ کا خیال ہے کہ اس قسم کی احادیث کا آج کے زمانے میں کوئی فائدہ نہیں۔ یہ بات انہوں نے اس مجموعۂ احادیث پر تنقید کرتے ہوئے کہی ہے جسے استاذ محمد المنتصر الکتانی نے کلیۃ الشریعۃ کے طلبہ کے لیے تیار کیا تھا۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ ایک خطرناک بات ہے اور کسی مسلمان کو اسے زبان پر لانا

زیب نہیں دیتا۔ رسول اللہ ﷺ کے تمام اقوال، افعال اور تقریرات (خاموش تائیدات) تشریع ہیں اور تشریع قیامت تک کے لیے ہے۔ الا یہ کہ وہ قرآن یا سنتِ صحیحہ سے منسوخ ہو۔ تشریع کا ایک اہم فائدہ اور دلالت یہ ہے کہ اس سے ایک حکم معلوم ہوتا ہے اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنا جائز ہے۔ یہ ثابت شدہ اور صحیح احادیث کتاب اللہ سے منسوخ ہیں نہ انہی جیسی دیگر احادیث سے، اس لیے ان کا تشریعی مفہوم قیامت تک کے لیے ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرنے اور وسیلہ اختیار کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے، چہ جائے کہ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ ؐ کے عظیم مقام کا وسیلہ اختیار کیا جائے۔ یہ چیز رہتی دنیا تک کے لیے ثابت شدہ اور مشروع ہے۔ پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ آج کے زمانے میں ان احادیث سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

غالب گمان ہے کہ شیخ البانیؒ کی نظر میں ان احادیث کے بے فائدہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ ''وسیلہ'' کے بارے میں ان کے مخصوص مسلک سے ٹکراتی ہیں، لیکن محض یہ بات ان کے منسوخ اور بے فائدہ قرار پانے کے لیے کافی نہیں ہیں۔''

بوطیؒ کے اس تنقید پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''ڈاکٹر بوطی نے اقتباسِ بالا میں میری طرف بہت سی خلافِ حقیقت باتیں منسوب کردی ہیں۔ ان کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے:

اول: استاذ کتانی کے مجموعۂ احادیث پر میری تنقید کے حوالے سے ڈاکٹر بوطی نے میری جانب جو بات منسوب کی ہے وہ سراسر الزام ہے۔ میری عبارت لفظ بلفظ درج ذیل ہے:

''استاذ کتانی نے جو احادیث نقل کی ہیں ان کا جاننا کوئی بہت زیادہ فائدہ مند نہیں ہے۔ انہوں نے عنوان ''رسول اللہ ﷺ کے حکم سے آپ ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرنا'' قائم کرکے اس کے تحت حضرت علیؓ سے مروی روایت درج کی ہے، جس میں ہے کہ انہیں اور ایک دوسرے صحابی کو آں حضرت ﷺ نے حکم دیا تھا

کہ جس برتن میں آپ ﷺ نے کلی کی ہے اس سے پانی پئیں اور اس کا پانی اپنے چہروں پر ڈالیں۔ پھر یہی عنوان ''رسول اللہ ﷺ کے آثار سے صحابہ کا برکت حاصل کرنا'' قائم کر کے حضرت طلق بن علیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے وضو کیا اور منہ میں پانی لے کر ان کے ایک برتن میں کلی کر دی۔ یہی عنوان تیسری مرتبہ قائم کیا اور اس کے تحت وہ روایت بیان کی جس میں حضرت اسماء کے آپ ﷺ کے جبے سے برکت حاصل کرنے کا بیان ہے۔ چوتھی مرتبہ پھر یہی عنوان قائم کر کے اس میں وہ حدیث بیان کی جس میں حضرت ام سلمہ کے آپ ﷺ کے بالوں سے برکت حاصل کرنے کا ذکر ہے۔''

ان عناوین کی تکرار کا کیا فائدہ، جب کہ آج رسول اللہ ﷺ کے ان آثار کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان سے برکت حاصل کرنا ممکن نہیں ہے؟ آج بعض علاقوں میں جو مخصوص مواقع پر ''موئے مبارک'' سے برکت حاصل کرنے کا رواج ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور نہ صحیح طریقوں سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ہاں ان عناوین سے بعض مشائخِ صوفیہ کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اور شاید مصنف بھی انہیں فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں، تاکہ انہیں اپنے مریدوں کو حصولِ برکت کے نام پر غلام بنانا آسان ہو۔''

اس سے واضح ہوا کہ اس طرح کی روایات کے مطلق فائدہ سے میں نے انکار نہیں کیا ہے، بلکہ میں نے ان کے ''بہت زیادہ فائدہ مند'' ہونے سے انکار کیا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ آں حضرت ﷺ کے آثار کے آج کل موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان سے برکت حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

دوم: ڈاکٹر بوطی کے نزدیک بـرکۃ (برکت حاصل کرنا) اور تـوسـل (وسیلہ چاہنا) ہم معنی الفاظ ہیں، جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے: ''نبی ﷺ کے آثار سے برکت حاصل کرنے اور وسیلہ اختیار کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے، چہ جائے کہ آپ کی ذاتِ گرامی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کے عظیم مقام کا وسیلہ اختیار کیا

جائے'' متنِ کتاب میں انہوں نے اس سے زیادہ صراحت سے لکھا ہے:

''توسّل اور تبرّک دونوں الفاظ کا ایک ہی مفہوم ہے۔ یعنی جس ذات کا وسیلہ اختیار کیا جارہا ہے اس کے واسطے سے خیر و برکت چاہی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آں حضرت ﷺ کی جاہ وعظمت کا وسیلہ اختیار کیا جائے، یا آپ ﷺ کے آثار، باقی ماندہ چیزوں اور ملبوسات کو وسیلہ بنایا جائے، یہ سب جزئیات ہیں جو ایک جامع نوع میں داخل ہیں اور وہ ہے 'مطلق وسیلہ اختیار کرنا' جو صحیح احادیث سے ثابت ہے۔''

اس اقتباس میں بہت سی باتیں خلط ملط ہوگئی ہیں اور متعدد بے بنیاد دعوے کیے گئے ہیں۔ ایک بھی صحیح حدیث ایسی نہیں ہے جس سے مطلق توسّل کا اثبات ہوتا ہو۔ ڈاکٹر بوطی کی بیان کردہ تفصیلات کے مطابق بھی ''تبرّک'' اور ''توسّل'' میں فرق ہے۔ اس لیے کہ ان کے مطابق توسّل میں اس چیز کی موجودگی ضروری نہیں جس کا وسیلہ اختیار کیا جارہا ہے، جب کہ تبرّک اس چیز کی موجودگی کا تقاضا کرتا ہے جس سے برکت حاصل کی جارہی ہے۔ بہر حال ہمارے نزدیک کسی ذات کا وسیلہ اختیار کرنا غیر مشروع ہے۔

سوم: توسّل کے بارے میں میرا جو نقطۂ نظر ہے اس میں میں تنہا نہیں ہوں، بلکہ متعدد ائمہ کرام کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے: ''أکرہ أن یُسئل اللّٰہ الا باللّٰہ'' (میرے نزدیک یہ چیز ناپسندیدہ ہے کہ اللہ سے کسی دوسرے کے واسطے سے مانگا جائے) یہی ان کے شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا بھی مسلک ہے۔ ان کے علاوہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیمؒ اور دیگر علمائے محققین کا بھی یہی مسلک ہے۔ احادیثِ نبویؐ اور علمائے سلف کے آثار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اس موضوع پر میں نے اپنے رسالے (التوسّل: احکامہ و أنواعہ) میں تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے، مخالفین کے شبہات کا رد کیا ہے اور روایت اور درایت دونوں پہلوؤں سے ان کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔''

مسجدِ نبویؐ کی تعمیر

(۱۸) مسجدِ نبویؐ کے سلسلے میں ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے:

''صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہ ہم اس کی باقاعدہ چھت تیار کر دیں؟ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: لکڑیوں اور گھاس پھوس سے تیار کیا گیا ویسا ہی چھپر رہنے دو جیسا موسیٰ کے لیے بنایا گیا تھا۔ (طبقات ابن سعد ۲/۵)''

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''یہ روایت واقدی سے مروی ہے جو کذاب ہے اور یہ صرف زہریؒ تک پہنچتی ہے، اس لیے مرسل بھی ہے۔ اس کے بجائے اسے دوسری سندوں سے بیان کرنا چاہیے تھا جو کم از کم درجۂ حسن تک پہنچتی ہیں، مثلاً اسے ابن ابی شیبہ نے المصنف میں اور ابن ابی الدنیا نے ''قصر الأمل'' میں حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ ابوسعید المفضل الجندیؒ نے بھی اپنی کتاب فضائل المدینۃ میں اس کی روایت راشد بن سعد سے مرسلاً کی ہے۔ اس کے علاوہ ابوحامد الحضرمیؒ نے اپنی کتاب میں، المخلص نے ''الفوائد المنتقاۃ'' میں اور ضیاء مقدسیؒ نے ''الأحاديث المختارة'' میں ابوالدرداءؓ سے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ابن ابی الدنیا نے بھی حضرت عبادہ بن صامتؓ سے اس کی تخریج کی ہے۔ ان تمام اسانید کو میں نے اپنی کتاب ''سلسلة الأحاديث الصحيحة'' (جلد دوم، حدیث نمبر ۶۱۶) میں بیان کر دیا ہے۔''

میثاقِ مدینہ

(۱۹) ہجرتِ نبویؐ کے بعد مسلمانوں اور یہود کے درمیان جو معاہدہ طے پایا تھا اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے:

''ابن ہشامؒ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان معاہدہ کی ایک دستاویز تیار کی۔ اس میں یہود کو بھی شریک کیا اور ان سے بھی معاہدہ

کیا۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے مذہب پر قائم اور اپنے مال و جائیداد کا مالک رہنے دیا اور ان کے کچھ حقوق اور فرائض مقرر کیے۔''

مزید لکھتے ہیں:

''ابن اسحاقؒ نے اس دستاویز کو بغیر سند کے اور ابن خیثمہؒ نے سند کے ساتھ ابن اسحاقؒ کے شا، بیان کیا ہے۔ ان کی سند یہ ہے:''حدثنا أحمد بن خباب أبو الوليد، حدثنا عيسى بن يونس، حدثنا كثير بن عبدالله بن عمرو المزني عن أبيه عن جدّه. (دیکھئے: عیون الاثر، ابن سید الناس ۱/۱۹۸)

امام احمدؒ نے بھی اس دستاویز کو اپنی مسند میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کی سند یہ ہے: حدثنا عباد بن حجاج، عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّه. (دیکھئے: مسند احمد ۲۱/۱۰، شرح البنا)

علامہ البانیؒ ڈاکٹر بوطی کے اس بیان میں کئی باتیں قابل گرفت قرار دیتے ہیں:

''اول: ابن ہشامؒ نے یہ روایت ابن اسحاقؒ سے بغیر سند کے ذکر کی ہے۔ اس بنا پر یہ معضل ہوئی۔ ابن کثیرؒ نے بھی اسے ابن اسحاقؒ کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ (۳/۲۲۴-۲۲۵) لیکن خلافِ عادت اس کی تخریج کے سلسلے میں اپنی طرف سے کچھ اضافہ نہیں کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیرت اور اسانید کے ماہرین کے نزدیک یہ روایت مشہور نہیں ہے۔

دوم: صحیح نام ابن خیثمہ نہیں بلکہ ابن ابی خیثمہؒ ہے۔

سوم: ابن ابی خیثمہؒ کی سند میں کثیر بن عبداللہ بن عمرو المزنی بہت زیادہ ضعیف ہے۔ امام ذہبیؒ نے کتاب ''الضعفاء و المتروكين'' میں اس کے بارے میں لکھا ہے:''امام شافعی نے اسے جھوٹ کا ایک ستون (ركن من أركان الكذب) قرار دیا ہے۔ ابن حبانؒ نے فرمایا ہے کہ ''اس نے عن أبيه عن جدّه کی سند سے گھڑی ہوئی حدیثوں کا ایک مجموعہ مرتب کر رکھا تھا۔'' دوسرے ناقدین حدیث نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

چہارم: امام احمدؒ سے مروی روایت کی سند بھی ضعیف ہے۔ حجاج سے مراد حجاج بن ارطاۃ ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے التقریب میں لکھا ہے: ''سچے ہیں، لیکن کثرت سے غلطی اور تدلیس کرتے ہیں'' ان کے بارے میں مسند احمد کے محقق شیخ عبدالرحمٰن البنا کو وہم ہو گیا، چنانچہ انہوں نے انہیں ثقہ لوگوں میں شمار کرتے ہوئے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

پنجم: ڈاکٹر بوطی کے انداز بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام احمدؒ کی روایت کے مشتملات وہی ہیں جو ابن اسحاقؒ کی روایت کے ہیں۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے، ابن اسحاقؒ کی روایت مفصل اور امام احمدؒ کی روایت بہت مختصر ہے۔''

بدر کے میدان میں

(۲۰) غزوۂ بدر کے ضمن میں ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے میدانِ بدر کے چشموں میں سے سب سے قریبی چشمے کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ اس پر حضرت حباب بن منذرؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے یہاں پڑاؤ ڈالا ہے، کیا اس کا اللہ نے حکم دیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہم یہاں سے ذرا بھی آگے یا پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ یا آپ نے اپنی صواب دید پر ایسا کیا ہے اور اس میں محض جنگی تدبیر پیش نظر ہے؟ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: یہ فیصلہ میں نے جنگی حکمت عملی کے طور پر اپنی رائے سے کیا ہے، چنانچہ حضرت حبابؓ نے دوسری جگہ پڑاؤ ڈالنے کا مشورہ دیا اور حضور ﷺ نے اس پر عمل کیا۔''

اس پر ڈاکٹر بوطی نے حاشیہ میں لکھا ہے:

''ابن ہشامؒ نے اپنی سیرت میں حضرت حباب بن منذرؓ کی یہ گفتگو ابن اسحاقؒ سے اور انہوں نے قبیلۂ بنو سلمہ کے بعض لوگوں سے روایت کی ہے۔ اس لیے یہ روایت مجہول لوگوں سے ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب الاصابۃ میں اسے

عن ابن اسحاق عن یزید بن رومان عن عروۃ بن الزبیر وغیر واحد

کی سند سے نقل کیا ہے۔ یہ صحیح سند ہے اور حافظ ابن حجرؒ ثقہ ہیں۔ (دیکھئے: الاصابۃ ۳۰۲/۱)"

علامہ البانیؒ کے نزدیک اس میں کئی باتیں قابلِ گرفت ہیں:

"اول: ابن ہشامؒ کی یہ روایت مرسل اور مجہول ہے، اس بنا پر ضعیف ہوئی۔ ذہبی نے اسے "حدیث منکر" قرار دیا ہے۔ شیخ محمد غزالیؒ کی کتاب فقہ السیرۃ کے حاشیہ میں میں نے اس کی تخریج کردی ہے۔[1]

دوم: عروہؒ کی روایت کو بوطی نے صحیح سند سے قرار دیا ہے، حالاں کہ یہ سند صحیح نہیں ہے۔ ابن اسحاقؒ کے حافظہ کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔ علمائے محققین کے نزدیک ابن اسحاقؒ کی روایت اسی صورت میں حسن کے درجے پر ہوگی جب وہ "حدثنی" کی صراحت کریں اور اپنے سے زیادہ ثقہ کی مخالفت نہ کریں۔ دوسرے یہ کہ عروہؒ تابعی ہیں، اس لیے یہ روایت مرسل ہوئی، جو ضعیف کی اقسام میں سے ہے۔

سوم: یہ کہنا صحیح نہیں کہ حافظ ابن حجرؒ نے اسے عن ابن اسحاق عن یزید کی سند سے بیان کیا ہے۔ اس لیے کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: "قال ابن اسحاق فی السیرۃ حدثنی یزید بن رومان" دونوں انداز میں فرق ہے۔ اہل علم کے نزدیک ابن اسحاقؒ مدلس ہیں۔ وہ جب کوئی روایت "عن" سے بیان کریں تو حجت نہیں ہیں اور جب "حدثنی" کہہ کر بیان کریں تو حجت ہیں۔ اس لیے ابن اسحاقؒ کے "حدثنی" کو "عن" سے بدل دینا درست نہیں۔

چہارم: حافظ ابن حجرؒ ثقہ ہیں، لیکن معصوم عن الخطأ نہیں ہیں۔ یہ روایت جسے انہوں نے عروہ کے واسطے سے بیان کیا ہے، دیگر روایانِ سیرت مثلاً ابن سید الناسؒ اور ابن کثیرؒ وغیرہ کے یہاں نہیں ہے۔ ساتھ ہی یہ سیرۃ ابن ہشام میں بھی نہیں ہے۔ ابن ہشامؒ نے غزوۂ بدر کے ضمن میں کچھ بیانات "قال ابن اسحاق و حدثنی یزید بن رومان عن عروۃ بن الزبیر قال" کہہ کر نقل کیے ہیں۔ آگے کچھ

---

[1] ملاحظہ کیجیے جزءاول کا اقتباس نمبر ۲۹

اور بیانات قال ابن اسحاق کہہ کر نقل کیے ہیں۔ اس کے بعد لکھا ہے: قال ابن اسحاق فحُدِّثتُ عن رجال من بنی سلمة اس بات کا احتمال ہے کہ ابن حجرؒ نے غلطی سے اس بیان کو بھی اول الذکر سند سے نقل کر دیا ہو۔"

غزوۂ بنو قینقاع کا سبب

(۲۱) ڈاکٹر بوطی نے غزوۂ بنو قینقاع کا یہ سبب بیان کیا ہے:

"ابن ہشامؒ کہتے ہیں: عبداللہ بن جعفر بن مسور بن مخرمہ نے ابوعون سے روایت کیا ہے کہ عرب کی ایک عورت اپنے سامانِ تجارت کے ساتھ آئی۔ اسے بنو قینقاع کے بازار میں بیچا۔ پھر ایک رنگ ریز کی دکان پر گئی۔ وہاں بیٹھے لوگوں نے اس سے چہرہ کھولنے کو کہا۔ اس نے انکار کیا......"

اس سے بوطی نے اسلام میں عورت کے لیے حجاب کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے اور اس روایت کے ساتھ دیگر احادیث بیان کر کے لکھا ہے کہ "ان کی رُو سے عورت کا اپنے چہرہ اور جسم کے بقیہ حصوں کو اجنبی مردوں سے چھپانا واجب ہے۔"

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

"جہاں تک اس راویت کی سند کا تعلق ہے تو وہ مرسل اور معلّق ہے۔ ابوعون، جن کا نام محمد بن عبداللہ الثقفی الکوفی الاعور ہے، ان کی وفات ۱۱۶ھ میں ہوگئی تھی۔ وہ نو عمر تابعی ہیں اور عبداللہ بن جعفر امام احمدؒ کے شیوخ میں سے ہیں۔ ان کی وفات ۱۷۰ھ میں ہوئی ہے۔ دونوں کے درمیان بہت خلا ہے۔ اس بنا پر اس روایت کا ضعف ظاہر ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتی تو بھی اس کی دلالت صرف استحباب اور مشروعیت پر ہوتی، نہ کہ وجوب پر۔ میں نے اپنی کتاب "حجاب المرأة المسلمة" میں اس سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ذکر کر دیا ہے اور بیان کیا ہے کہ جمہور عورت کے لیے چہرہ چھپانے کے استحباب کے قائل ہیں، نہ کہ وجوب کے۔ دوسری بات یہ کہ آیتِ حجاب غزوۂ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی تھی، جب کہ یہ واقعہ غزوۂ احزاب سے پہلے کا ہے۔"

لوگوں سے ان کے ظاہر کے مطابق معاملہ کیا جائے گا

(۲۲) یہودی قبیلہ بنو قینقاع کی بدعہدی کے موقع پر مشہور منافق عبداللہ بن ابی نے ان لوگوں کی حمایت کی تھی۔ آں حضرت ﷺ نے اس سے درگزر فرمایا اور ان لوگوں کو جلاوطن کر دیا۔ اس کی روشنی میں ڈاکٹر بوطی نے یہ استنباط کیا ہے کہ لوگوں کے ظاہری اعمال کے مطابق دنیا میں ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ رہا ان کی نیتوں کا حال تو ان کے مطابق قیامت میں اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس کرے گا۔ یہ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر بوطی نے کتاب کے پہلے ایڈیشن میں لکھا تھا:

"اس قاعدے کا اظہار رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے: "أمرنا ان نحكم بالظاهر و الله يتولى السرائر" (ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ظاہر کے مطابق فیصلہ کریں، دلوں کے احوال سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے)"

اس پر علامہ البانیؒ نے یہ تنقید کی ہے:

"یہ قاعدہ تو صحیح ہے، لیکن حدیث صحیح نہیں ہے۔ حافظ عراقیؒ، حافظ عسقلانیؒ، علامہ سخاویؒ اور علامہ سیوطیؒ وغیرہ نے اسے بے اصل قرار دیا ہے۔ المقاصد الحسنة میں ہے: "حدیث کی مشہور کتابوں اور دیگر مجموعوں میں یہ حدیث نہیں ملتی۔ عراقیؒ نے قطعیت کے ساتھ اسے بے اصل قرار دیا ہے۔ مزیؒ وغیرہ نے بھی اس کا انکار کیا ہے۔" (ص ۹۱، نمبر ۱۷۸) عجلونیؒ کی کشف الخفاء (۱/۱۹۲، ۵۸۵) میں بھی اسے بے اصل قرار دیا گیا ہے۔"

استاذ عید عباسی نے اپنی کتاب بدعة التعصب المذهبي میں ڈاکٹر بوطی پر تنقید کرتے ہوئے اس حدیث کو بے اصل قرار دیا تو ڈاکٹر بوطی نے کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اسے حذف کر کے اس کی جگہ یہ عبارت درج کی:

"اس قاعدے کا اظہار رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے جسے امام بخاری نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے: "انما ناخذكم الآن بما ظهر لنا من اعمالكم" (یہاں تو ہم تم لوگوں کی گرفت ان اعمال پر کریں گے جن کا تمہاری

طرف سے اظہار ہوگا)''

علامہ البانیؒ نے اس پر بھی تنقید کی، انہوں نے لکھا ہے:

''یہاں پھر ڈاکٹر بوطی سے ایک فاش غلطی ہوگئی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ عالی نہیں، بلکہ حضرت عمرؓ کا قول ہے۔ امام بخاریؒ نے اسے کتاب الشھادات کی ابتدا میں عبداللہ بن عقبہ کی سند سے حضرت عمر بن الخطابؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ امام احمدؒ نے بھی اسے ایک دوسری سند سے حضرت عمرؓ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔''

غزوۂ احد میں حضرت سعد بن الربیعؓ کی شہادت

(۲۳) غزوۂ احد کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ایک جگہ ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے:

''ابن ہشامؒ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے (غزوۂ احد کے بعد) اپنے اصحاب سے فرمایا: کون یہ دیکھ کر آئے گا کہ سعد بن الربیعؓ کا کیا حال ہے؟ وہ زندوں میں ہیں یا مردوں میں؟ ایک انصاری نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ میں دیکھ کر آتا ہوں۔ انہوں نے جا کر دیکھا تو انہیں مقتولین کے درمیان شدید زخمی حالت میں پایا......الخ۔''

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

سیرت ابن ہشام میں یہ روایت یوں مروی ہے: ''قال ابن اسحاق: فقال رسول الله ﷺ كما حدثني محمد بن عبدالله بن عبدالرحمن بن أبي صعصعة المازني أخو بني النجار.'' یہ سند معضل ہے، جو ضعیف کی اقسام میں سے ہے۔

یہ روایت موصولاً بھی مروی ہے۔ میں نے اسے تخریج فقه السيرة للغزالي (ص ۲۸۹-۲۹۰) میں بیان کر دیا ہے۔[۱]

۱۔ ملاحظہ کیجئے جزء اول کا اقتباس نمبر ۳۷۔

حضرت حمزہؓ کی نمازِ جنازہ

(۲۴) غزوۂ احد کے سیاق میں ڈاکٹر بوطی نے بیان کیا ہے کہ علماء کے نزدیک جہاد میں شہید ہونے والے کو نہ غسل دیا جاتا ہے، نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

''بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے دس دس کے گروپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ہر گروپ میں حضرت حمزہؓ شامل تھے۔ یہاں تک کہ ان کی نماز جنازہ ستر مرتبہ پڑھائی۔ ایسی روایات ضعیف اور غلط ہیں۔ (ملاحظہ کیجئے: مغنی المحتاج ۳۴۹/۱)''

علامہ البانیؒ نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ روایت ضعیف نہیں ہے۔ یہ بہت سے طرق سے مروی ہے۔ ان میں سے بعض حسن ہیں۔ حافظ زیلعیؒ نے نصب الرأیة (۳۰۹/۲-۳۱۳) میں اس کا بڑا حصہ نقل کیا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے الدرایة (۲۴۳/۱-۲۴۴) اور تلخیص الحبیر (۱۱۷/۱) میں [illegible] بیان کیا ہے اور قوی قرار دیا ہے۔ اسی لیے اس روایت کو میں نے بھی اپنی کتاب ''أحکام الجنائز و بدعها'' (مسئلہ نمبر ۷۰) میں درج کیا ہے۔ حضرت حمزہؓ اور دیگر شہدا [illegible] نماز جنازہ پڑھے جانے کے سلسلے میں دیگر بہت سی احادیث ہیں، جن میں سے بعض صحیح ہیں۔ میں نے انہیں اپنی اس کتاب میں (مسئلہ نمبر ۶۰،۲۲) بیان کر دیا ہے۔

ڈاکٹر بوطی نے اس روایت کو ضعیف قرار دینے کے لیے ''مغنی المحتاج'' کا حوالہ دیا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ یہ فقہ شافعی کی کتاب ہے۔ اس لیے [illegible] دیث کی تصحیح و تضعیف کے معاملے میں اس کا اعتبار نہیں۔ اس کا اعتبار اس صورت میں ہوسکتا ہے جب اس کے مصنف شیخ محمد الشربینی الخطیب (م ۹۸۸ھ) کو علم حدیث کے میدان میں شہرت حاصل ہوتی، لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس علم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے

بہت سی ایسی حدیثیں نقل کی ہیں جو ضعیف یا موضوع ہیں۔"

غزوۂ ذات الرقاع

(۲۵) ڈاکٹر بوطی غزوۂ ذات الرقاع کا زمانہ متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"صحیحین ہی میں یہ حدیث بھی مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ ذات الرقاع میں حضرت جابرؓ سے دریافت فرمایا: کیا تمہاری شادی ہوگئی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، اے اللہ کے رسولؐ۔"

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

"صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) میں سے کسی میں غزوۂ ذات الرقاع کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس کا بیان سیرۃ ابن ہشام میں عن ابن اسحاق عن جابر کی حسن سند سے ملتا ہے۔ اسی طرح امام احمدؒ نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ امام بخاریؒ نے اس کا ابتدائی حصہ کتاب المغازی میں تعلیقاً روایت کیا ہے، بلکہ انہوں نے کتاب الشروط میں ایک دوسری سند سے حضرت جابرؓ سے تعلیقاً جو روایت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ابن اسحاق کی روایت کو اس پر ترجیح دی ہے۔"

آں حضرت ﷺ کا حضرت جعفرؓ اور حضرت زیدؓ کو بوسہ دینا اور چمٹانا

(۲۶) غزوۂ خیبر اور اس موقع پر حبشہ سے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی آمد کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر بوطی نے ان سے کچھ مسائل کا استنباط کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے: "آنے والے کو بوسہ دینے اور اسے چمٹانے کی مشروعیت" اس کے تحت لکھا ہے:

"اگر کوئی شخص سفر سے واپس آرہا ہو، یا طویل عرصے کے بعد اس سے ملاقات ہو رہی ہو تو اسے بوسہ دینے اور چمٹانے کی مشروعیت کے سلسلے میں ہمیں کسی قابلِ ذکر اختلاف کا علم نہیں ہے۔ علماء نے اس پر اس سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت

جعفر بن ابی طالبؓ حبشہ سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور انہیں چمٹا لیا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ایک دوسری حدیث امام ترمذیؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں: زید بن حارثہؓ مدینہ آئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تھے۔ انہوں نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ نبی ﷺ کپڑے گھسیٹتے ہوئے ان کی جانب بڑھے، ان سے گلے ملے اور انہیں بوسہ دیا۔''

لیکن یہ دونوں روایتیں علامہ البانیؒ کے نزدیک ضعیف ہیں۔ فرماتے ہیں:

''امام ابوداؤدؒ کی روایت صحیح سند سے مروی نہیں ہے۔ اسے انہوں نے کتاب الادب کے آخر میں علی بن مسهر عن أجلح عن الشعبي کی سند سے بیان کیا ہے۔ شعبیؒ معروف تابعی ہیں۔ اس لیے یہ روایت منقطع مرسل ہوئی۔ اجلح بن عبداللہ بن حجیۃ الکندی کی بعض لوگوں نے توثیق کی ہے، لیکن بعض لوگوں نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے، ان میں خود ابوداؤدؒ بھی ہیں۔ ذہبیؒ نے ان کا تذکرہ کتاب الضعفاء میں کیا ہے، اس لیے اگر زیادہ سختی سے کام نہ لیا جائے تو اس روایت کو حسن مرسل کہا جا سکتا ہے، لیکن بہتر ہے کہ اسے ضعیف قرار دیا جائے۔

اس روایت کو حاکمؒ (۲۱۱/۳) نے الحسن بن الحسین العرني ثنا أجلح بن عبدالله عن الشعبي عن جابر کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس سند سے یہ روایت مسند ہے، لیکن اس میں مذکور راوی عرنی کو ذہبیؒ نے 'ضعفاء' میں شمار کیا ہے۔ اسی لیے ذہبیؒ نے ''تلخیص المستدرک'' میں لکھا ہے: ''صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔''

جہاں تک ترمذیؒ کی روایت کا معاملہ ہے وہ بھی ضعیف ہے، اس لیے کہ اس کی سند میں تین ضعیف راوی موجود ہیں۔ اس کی تفصیل میں نے کتانی کی کتاب پر اپنی تنقید (ص ۱۶، حدیث نمبر ۸) میں بیان کر دی ہے۔ اس لیے ذہبی نے اسے ''حدیث منکر'' قرار دیا ہے۔''

کسریٰ کے نام مکتوب نبوی ﷺ

(۲۷) آں حضرت ﷺ نے مختلف قبائل اور ممالک کے حکم رانوں کے پاس اپنے مکاتیب کے ساتھ بعض صحابۂ کرام کو بھیجا۔ شہنشاہِ ایران کسریٰ کے پاس حضرت عبداللہ بن حذافہؓ نامۂ نبویؐ لے کر گئے۔ اس کی تفصیل بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر بوطی نے حاشیہ میں لکھا ہے:

''کسریٰ کے نام مکتوبِ نبویؐ کی یہ تفصیل طبقاتِ ابن سعد سے منقول ہے۔ بخاریؒ نے اسے مختصراً ذکر کیا ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ اطلاع ملی کہ اس نے آپ ﷺ کے مکتوب کو چاک کر ڈالا ہے تو آپ ﷺ نے بددعا کی کہ وہ لوگ بھی اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ شیخ ناصر الدین البانیؒ نے محمد الغزالیؒ کی کتاب فقہ السیرۃ پر اپنی تعلیقات میں ابن سعد کی روایت میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ ''نبی ﷺ نے دیکھا کہ باذان نے جو دو آدمی بھیجے تھے ان کی مونچھیں اینٹھی ہوئی اور گال استرے سے چھلے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا: ''تمہارا برا ہو۔ تم ایسا کس کے کہنے سے کرتے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا: ''ہمارے رب (یعنی کسریٰ) نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔'' یہ اضافہ مجھے ابن سعدؒ کی روایت میں نہیں مل سکا۔ یہ ابن جریر کی روایت ہے۔''

علامہ البانیؒ ڈاکٹر بوطی کی اس تنقید کو صحیح نہیں قرار دیتے۔ وہ وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے شیخ محمد الغزالیؒ کی فقہ السیرۃ میں اس روایت کی تخریج یوں کی ہے: ''یہ حدیث حسن ہے۔ اس کی تخریج ابن جریرؒ (۲/۲۶۷-۲۶۸) نے یزید بن ابی حبیب سے مرسلاً کی ہے۔ ابن سعدؒ نے بھی اپنی کتاب الطبقات (جلد ۱، قسم: ۲، ص ۱۴۷) 'مختلف سلاطین کے نام رسول اللہ ﷺ کے مکاتیب' کی فصل میں اسے عبیداللہ بن عبداللہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ ابن بشرانؒ نے ''الأمالی'' میں اسے حضرت ابو ہریرہؓ سے (موصولاً) روایت کیا ہے، لیکن اس کی

سند کم زور ہے۔'' اس سے واضح ہو رہا ہے کہ میں نے طبقات ابن سعد میں جس اضافہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ دوسری جگہ ہے (جلد:۱، قسم:۲ ص ۱۴۷)۔ 'مختلف سلاطین کے نام رسول اللہ ﷺ کے مکاتیب' کی فصل میں کسریٰ کے نام مکتوبِ نبویؐ کی تفصیل بلا سند مذکور ہے، جب کہ میں نے جس اضافہ کی نشان دہی کی ہے وہ دوسری جگہ مرسل سند کے ساتھ ہے۔ ڈاکٹر بوطی نے مذکورہ فصل میں یہ اضافہ نہ پا کر اس کے طبقات ابن سعد میں نہ ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا۔''

مختلف سلاطین کے نام نامہ ہائے مبارک

(۲۸) آگے ایک جگہ ڈاکٹر بوطی لکھتے ہیں:

''حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کسریٰ، قیصر، نجاشی اور دیگر طاقت ور حکم رانوں کو خطوط لکھے اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دی۔''

اس پر علامہ البانیؒ نے یہ تنقید کی ہے:

''ڈاکٹر بوطی نے رُوِی عن انس کے صیغے سے یہ روایت نقل کی ہے۔ محدثین کے نزدیک مجہول کا صیغہ ضعیف حدیث کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ چوں کہ یہ حدیث صحیح مسلم میں آئی ہے اس لیے صیغۂ مجہول سے اس کی روایت مناسب نہیں۔''

غزوۂ موتہ

(۲۹) غزوۂ موتہ کے ضمن میں ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے:

''مسلمانوں کے لشکر کو روانہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' اس کے سپہ سالار زید بن حارثہؓ ہوں گے، اگر وہ شہید ہو جائیں تو پھر سالار عبداللہ بن رواحہؓ ہوں گے، اگر وہ بھی جامِ شہادت نوش کر لیں تو پھر مسلمان جس کو چاہیں سالارِ لشکر بنا لیں۔'' صحیح بخاری، مسند احمد، طبقات ابن سعد۔ صحیح بخاری میں روایت کا آخری حصہ 'اگر وہ بھی جامِ شہادت نوش کر لیں تو پھر مسلمان جس کو چاہیں سالارِ لشکر بنا لیں'

موجود نہیں ہے۔"

علامہ البانیؒ کے نزدیک اقتباس میں چند باتیں قابلِ گرفت ہیں:

"اول: صحیح بخاری، مسند احمد اور طبقات ابن سعد کا حوالہ دے کر یہ لکھنا کہ روایت کا آخری حصہ صحیح بخاری میں موجود نہیں ہے، یہ مفہوم دیتا ہے کہ وہ حصہ مسند احمد میں موجود ہے، حالاں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ روایت مسند احمد میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔ (میں نے فقہ السیرۃ للغزالی کی تخریج میں اس کے صفحات نمبر درج کر دیے ہیں)[1] لیکن یہ اضافہ کسی جگہ نہیں ہے۔

دوم: صحیح بخاری کی روایت ہوتے ہوئے طبقات ابن سعد کی روایت کو ترجیح دینا درست نہیں ہے کیوں کہ صحیح بخاری کی تمام روایات صحیح ہیں، جب کہ طبقات ابن سعد کا حال ایسا نہیں ہے۔

سوم: یہ حدیث طبقات ابن سعد میں بلا سند مذکور ہے (۱۲۸/۲)۔ ابن کثیرؒ نے البدایۃ (۲۴۱/۴) میں اس کی جو سند بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن سعد نے اس روایت کو اپنے شیخ واقدی سے لیا ہے جو متّہم بالوضع ہے۔ واقدی ہی کی سند سے ابن عساکرؒ نے بھی اسے اپنی کتاب تاریخ دمشق (۳۸۹/۱-۳۹۰) میں بیان کیا ہے۔

اس روایت کے آخر میں ایسی بات ہے جو اس کے منکر اور باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں ہے کہ "جب اہلِ مدینہ کو لشکرِ موتہ کے واپس آنے کی خبر ملی تو انہوں نے اسے مقامِ جرف میں جالیا، ان کے چہروں پر مٹی ڈالنے لگے اور کہنے لگے: "بھاگنے والو! تم اللہ کے راستے سے بھاگے ہو۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ لوگ بھاگنے والے نہیں ہیں، بلکہ ان شاء اللہ پھر حملہ کرنے والے ہیں۔" جب کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے...... "یہاں تک کہ اللہ کے تلواروں میں سے ایک تلوار نے علَم اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔"

---

[1] تخریج فقہ السیرۃ میں مسند احمد کا یہ حوالہ درج ہے: ۲۹۹/۵، ۳۰۰، ۳۰۱۔

یہ بات نا قابلِ فہم ہے کہ جس لشکر کو اپنی تعداد اور سامانِ جنگ میں کمی کے باوجود روم کے عظیم الشان لشکر پر فتح حاصل ہوئی ہو، مسلمان اس کا استقبال اس پر مٹی ڈال کر کریں اور اسے راہ فرار اختیار کرنے والا کہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ ڈاکٹر بوطی نے صحیح بخاری کی حدیث نقل کر کے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے: ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے اخیر میں فتح حاصل ہوئی تھی۔'' اس کے باوجود طبقات ابن سعد کے اس اضافہ کو نقل کیا ہے اور اس کی یہ تاویل ہے: ''مسلمانوں نے یہ بات اس لیے کہی تھی کیوں کہ رومی جب شکست کھا کر بھاگنے لگے تو مسلمانوں نے ان کا پیچھا نہیں کیا تھا.....'' جب کہ یہ تاویل بعید ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ (۲۴۸/۴) میں اس منکر روایت کو ابن اسحاقؒ کی سند سے عروہ سے مرسلاً بیان کیا ہے، پھر لکھا ہے:

''یہ روایت اس سند سے مرسل ہے۔ اس میں غرابت پائی جاتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابن اسحاقؒ کو اس سلسلے میں وہم ہو گیا ہے اور انہوں نے گمان کر لیا کہ فرار ہونے والی بات مسلمانوں نے لشکر سے کہی تھی، حالاں کہ یہ بات ان لوگوں سے کہی گئی تھی جو میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ رہے بقیہ لوگ جنہوں نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے فتح یاب ہونے کی خوش خبری دی تھی، مسلمانوں نے انہیں بھگوڑے نہیں کہا تھا، بلکہ ان کا اعزاز واکرام کے ساتھ استقبال کیا تھا۔''

مکہ پر چڑھائی کرنے کا سبب

(۳۰) فتحِ مکہ کی بحث میں ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے کہ ''صلح حدیبیہ کے بعد بنو بکر قریش کے ساتھ اور بنو خزاعہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہو گئے تھے۔ صلح ہونے کے باوجود بنو بکر نے بنو خزاعہ پر شب خوں مارا اور ان کے بیس آدمی قتل کر دیے۔ اس واقعہ کے بعد عمرو بن سالم

الخزاعی خزاعہ کے چالیس شہ سواروں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو کچھ اس قبیلے پر بیتی تھی اس سے آپ ﷺ کو آگاہ کیا۔ آپ ﷺ اپنی ردائے مبارک سنبھالتے ہوئے کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''اگر میں بنوکعب پر ہونے والے ظلم کے خلاف ان کی اس طرح مدد نہ کرسکوں جس طرح اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا دفعیہ کرتا ہوں تو اللہ کی تائید ونصرت سے محروم رہوں۔'' مزید فرمایا: ''یہ بادل خوش خبری دے رہا ہے کہ بنوکعب کی ضرور مدد کی جائے گی۔'' اس پر ڈاکٹر بوطی نے یہ حاشیہ لگایا ہے: ''اسے ابن سعدؒ اور ابن اسحاقؒ نے روایت کیا ہے۔ الفاظ ابن سعد کی روایت کے ہیں۔ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اسے بزّارؒ، طبرانیؒ اور موسیٰ بن عقبہؒ وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔''

اس سلسلے میں علامہ البانیؒ نے چند باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے:

''اول: یہ واقعہ ابن سعدؒ (۱۳۴/۲) اور ابن اسحاقؒ (۳۲/۴-۳۷) نے بلا سند بیان کیا ہے، اس لیے اس کی صحت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔''

دوم: بزّارؒ نے اسے روایت نہیں کیا ہے۔ اس لیے بزار کا حوالہ دینا اور یہ کہنا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اسے بزّار کی جانب منسوب کیا ہے، دوہری غلطی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس واقعہ کو ابن اسحاقؒ کی سند سے اشعار کے ساتھ نقل کیا ہے، پھر لکھا ہے:

''و قد روى البزّار من طريق حمّاد بن سلمة عن محمد بن عمرو عن أبي سلمة عن أبي هريرة بعض الأبيات المذكورة في هذه القصة.''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بزّارؒ نے پورے واقعہ کی روایت نہیں کی ہے، بلکہ صرف اس میں مذکور چند اشعار کی روایت کی ہے۔

سوم: طبرانیؒ نے اس واقعہ کی روایت جس سند سے کی ہے وہ ضعیف ہے، جیسا کہ میں نے فقہ السیرۃ للغزالی کی تخریج (ص ۴۰۴) میں ذکر کیا ہے۔[1]

چہارم: حافظ ابن حجرؒ نے موسیٰ بن عقبہؒ کے بارے میں لکھا ہے:

''و عند موسىٰ بن عقبة في هذه القصة قال: و يذكر أن......''

---

[1] ملاحظہ کیجیے جزء اول کا اقتباس نمبر ۵۷۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے یہ واقعہ بلا سند بیان کیا ہے۔''

فتح مکہ کے موقع پر آں حضرت ﷺ کا خطبہ

(۳۱) ڈاکٹر بوطی نے ابن اسحاقؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ فتحِ مکہ کے موقع پر آں حضرت ﷺ نے خانۂ کعبہ کے دروازے کے دونوں بازو تھام کر خطبہ دیا۔ اس میں آپ ﷺ نے آخر میں فرمایا: ''اے قومِ قریش! جانتے ہو، میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟'' انہوں نے جواب دیا: ''ہم اچھی امید رکھتے ہیں۔ آپ کریم النفس اور شریف بھائی ہیں اور کریم النفس اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''اگرچہ یہ حدیث مشہور ہے، لیکن اس کی کوئی پختہ سند نہیں ہے۔ ابن ہشامؒ کے یہاں یہ معضل ہے اور حافظ عراقیؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، جیسا کہ میں نے تخریج فقه السيرة (۴۱۵) میں بیان کر دیا ہے۔''[1]

آں حضرت ﷺ پر جان لیوا حملہ کی سازش

(۳۲) ڈاکٹر بوطی نے ایک جگہ لکھا ہے:

''ابن ہشامؒ نے روایت کیا ہے کہ فتحِ مکہ کے بعد فضالہ بن عمیر لیثی نے منصوبہ بنایا کہ جب نبی ﷺ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے ہوں تب وہ آپ ﷺ کو قتل کر دے......''

اس کے بارے میں علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

یہ روایت صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ ابن ہشامؒ نے اس کی کوئی متصل سند بیان نہیں کی ہے کہ اس کے راویوں کے بارے میں غور کیا جا سکے۔

---

[1] ملاحظہ کیجئے جزء اول کا اقتباس نمبر ۶۰

قبیلۂ ثقیف کے بارے میں آں حضرت ﷺ کا رویہ

(۴۳) غزوۂ حنین قبیلۂ ثقیف سے ہوا تھا۔ اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے: ''جب اس غزوہ سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ واپس ہوئے تو بعض صحابہ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! قبیلۂ ثقیف پر بددعا کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے اس کے بجائے ان کے لیے دعا کی۔ فرمایا: اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں توفیق دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں۔'' پھر اس پر حاشیہ لگایا ہے: ''اسے ابن سعدؒ نے 'طبقات' میں روایت کیا ہے اور ترمذیؒ نے اپنی سنن میں اس کی تخریج کی ہے۔ ابن سعدؒ نے اس کی روایت عن عاصم الكلابی عن الأشهب عن الحسن کی سند سے کی ہے۔''

علامہ البانیؒ نے اس میں کئی باتوں پر گرفت کی ہے:

''اول: ترمذیؒ نے اسے جس سند سے روایت کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اس میں ایک راوی ابوالزبیر ہے جو مدلّس ہے۔ اس نے یہ روایت 'عنعنہ' سے بیان کی ہے۔ اس لیے یہ بات قطعی نہیں کہ اس نے اپنے جس شیخ کا نام لیا ہے اس سے براہ راست سنا ہے یا نہیں؟ میں نے اس روایت کی تخریج فقه السيرة للغزالی (ص ۴۳۲) کی تخریج میں کر دی ہے۔[1]

دوم: ابن سعد نے الطبقات (۱۵۹/۲) میں اس حدیث کو بلا سند بیان کیا ہے۔

سوم: ڈاکٹر بوطی نے صرف ابن سعدؒ اور ترمذیؒ کا حوالہ دیا ہے۔ اس لیے یہ وہم ہوتا ہے کہ ان سے اعلیٰ طبقہ کے کسی شخص نے اس کی روایت نہیں ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ اس کی تخریج امام احمدؒ نے بھی کی ہے، لیکن ان کی سند منقطع ہے، جیسا کہ میں نے تخریج فقه السيرة للغزالی میں بیان کر دیا ہے۔[2]

چہارم: ابن سعدؒ کی جو سند بیان کی گئی ہے اس میں بعض غلطیاں ہیں۔ صحیح سند

---

[1] ملاحظہ کیجیے جزء اول کا اقتباس نمبر ۶۲

[2] حوالہ سابق

طبقات ابن سعد (۱۵۹/۲) میں غزوة رسول الله ﷺ للطائف کی ابتداء میں موجود ہے جو یہ ہے: "عن عمرو بن عاصم الكلابی اخبرنا أبو الأشهب، أخبرنا الحسن."

پنجم: ابن سعدؒ کی یہ سند مذکورہ روایت کے لیے نہیں ہے، بلکہ اس سند سے ابن سعد نے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے آں حضرت ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! ثقیف پر بددعا کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان الله لم یاذن فی ثقیف (اللہ نے ثقیف کے معاملے میں اس کی اجازت نہیں دی ہے) یہ روایت بھی ضعیف ہے، اس لیے کہ مرسل ہے۔"

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ کا جذبۂ انفاق

(۳۴) غزوۂ تبوک کے موقع پر صحابۂ کرام کے جذبۂ انفاق کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر بوطی نے حضرت عمر فاروقؓ کی زبانی بیان کیا ہے کہ "اس وقت میرے پاس خوب مال تھا۔ میں نے سوچا کہ آج میں ابوبکرؓ سے بڑھ سکتا ہوں۔ میں اپنا نصف مال لے کر خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا...... حضرت ابوبکرؓ کے پاس جو کچھ تھا سب لے آئے۔ آں حضرت ﷺ نے ان سے دریافت کیا: "گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "میں ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول ﷺ چھوڑ کر آیا ہوں۔" یہ واقعہ بیان کر کے انہوں نے اس پر یہ حاشیہ لگایا ہے:

"اسے ترمذیؒ، حاکمؒ اور ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ہشام بن سعد ہے۔ اس نے اس روایت کو زید بن اسلم سے روایت کیا ہے۔ ہشام کو امام احمدؒ اور نسائیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا شمار پانچویں درجے میں کیا ہے اور اس کے بارے میں ابوداؤدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "وہ معتبر ہے اگر زید بن اسلم سے روایت کرے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے" اسی طرح انہوں نے حاکمؒ سے روایت کیا ہے کہ امام مسلمؒ نے بطور شاہد اس سے تخریج کی ہے۔"

بوطی اس حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے آگے

متن کتاب میں لکھا ہے: ''اگر یہ حدیث صحیح ہے......'' آگے اس واقعہ سے نتائج مستنبط کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس روایت میں ضعف کے احتمالات ہیں جنہیں میں نے اس کی تخریج کرتے ہوئے بیان کر دیا ہے۔''

لیکن علامہ البانیؒ اسے ضعیف نہیں مانتے، وہ فرماتے ہیں:

''ڈاکٹر بوطی کا اس حدیث کو ضعیف قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ علم جرح وتعدیل اور تراجم رجال سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ کسی راوی کے متکلم فیہ ہونے سے اس کی حدیث درجۂ ضعف میں نہیں پہنچ جاتی، بلکہ وہ صحت وضعف کے درمیان یعنی حسن رہتی ہے۔ ہشام بن سعد کا بھی یہی معاملہ ہے، خاص طور پر ان کی وہ حدیثیں جنہیں وہ زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی حدیثوں کو ترمذیؒ، حاکمؒ اور ذہبیؒ نے صحیح قرار دیا ہے۔ امام بخاریؒ نے ان کی حدیث کو اپنی صحیح میں صیغۂ جزم کے ساتھ تعلیقاً ذکر کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے۔ اسی لیے میں نے اس کی تخریج ''صحیح ابوداؤد'' میں کی ہے۔''

سفر تبوک کی مشقتیں

(۳۵) سفر تبوک کے احوال بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر بوطی لکھتے ہیں:

''امام احمدؒ اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے کہ اس سفر میں دو دو تین تین آدمی پے در پے ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ راستے میں انہیں شدید پیاس لگی اور پینے کے لیے پانی نہیں ملا تو اونٹوں کو ذبح کرنے لگے، تاکہ ان کی اوجھ سے پانی حاصل کر کے پئیں۔ اسے ابن سعدؒ نے اپنی طبقات (۲۲۰/۳) میں روایت کیا ہے۔

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''مطلق ''امام احمدؒ نے روایت کیا ہے'' کہنے سے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ یہ روایت مسند احمد میں موجود ہے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ اسی لیے ہیثمیؒ نے بھی اسے مجمع الزوائد میں نقل نہیں کیا ہے۔ اگر یہ مسند احمد میں ہوتی تو ہیثمیؒ بھی ضرور اسے

اپنی کتاب میں نقل کرتے۔ اسی طرح سیوطیؒ نے 'درِ منثور' (۲۸۶/۳) میں اس روایت کو ابن ابی حاتمؒ، ابوالشیخ اور بیہقیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ اگر یہ مسند احمد میں ہوتی تو اسے چھوڑ کر وہ ان لوگوں کا حوالہ نہ دیتے۔ مسند احمد میں اس کا ہونا یوں بھی بعید معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرسل ہے، جب کہ مسند میں صرف موصول روایتیں ہیں۔''

علامہ البانیؒ مزید فرماتے ہیں:

''ڈاکٹر بوطی سے قبل شیخ محمد الغزالیؒ نے بھی اسے اپنی کتاب فقہ السیرۃ (ص ۴۴۰) میں امام احمدؒ کے حوالے سے بیان کیا تھا۔ اس کی تخریج کرتے وقت میں نے بیاض چھوڑ دی تھی۔ اس لیے کہ یہ مجھے مسند احمد میں نہیں ملی تھی۔ اب میں کہہ رہا ہوں کہ اسے حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ (۹/۵) میں امام احمدؒ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے یہ سند ذکر کی ہے: ''قال الإمام أحمد: حدثنا عبدالرزاق أخبرنا معمر أخبرنا عبدالله بن محمد بن عقیل۔'' اسے ابن سعدؒ نے بھی معمرؒ کے واسطے سے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ چوں کہ ابن کثیرؒ نے اس روایت کو امام احمدؒ سے سند کے ساتھ بیان کیا ہے، جو کہ مرسل ہے، یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ انہوں نے مسند احمد مراد نہیں لی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے ایک دوسری سند (سعید بن أبی هلال عن عتبة بن أبی عتبة عن نافع بن جبیر عن عبدالله بن عباس عن عمر بن الخطاب) سے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ اور کہا ہے: ''اس کی سند اچھی ہے۔'' ہیثمیؒ (۱۹۵/۶) نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے: ''اسے بزارؒ نے اور طبرانیؒ نے الاوسط میں روایت کیا ہے۔ بزارؒ کے رجال ثقہ ہیں'' ابن حبانؒ نے بھی اسے اپنی ''صحیح'' میں روایت کیا ہے، جیسا کہ موارد الظمآن (۱۷۰۷) میں ہے، لیکن اس کی سند سے عتبہ کا نام ساقط ہے۔''

غزوۂ تبوک کا زمانہ

(۳۶) ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے:

''امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''غزوۂ تبوک کے موقع پر قحط کا زمانہ تھا.....'' آگے انہوں نے پوری روایت درج کی ہے کہ لوگوں کا زادِ راہ ختم ہونے لگا تو حضرت عمرؓ کے مشورے سے آں حضرت ﷺ نے لوگوں کی ضرورت سے زائد زادِ راہ منگوایا۔ اسے ایک جگہ اکٹھا کر کے اس میں برکت کی دعا کی۔ چنانچہ وہ پوری فوج کے لیے کافی ہوگیا، پھر بھی بچا رہا۔''

اس پر انہوں نے یہ حاشیہ لگایا ہے:

''اسے امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ''اس حدیث کو امام مسلمؒ نے أبو کریب عن أبی معاویة عن الأعمش کی سند سے روایت کیا ہے۔''

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''اس سے یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ صحیح مسلم میں یہ روایت مرسلاً مروی ہے۔ اس لیے کہ اعمشؒ، جن کا نام سلیمان بن مہران ہے، صغار تابعین میں سے ہیں، حالاں کہ یہ بات نہیں ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے حدیث بیان کرنے سے قبل یہ سند ذکر کی ہے: رواہ الإمام أحمد عن معاویة عن الأعمش عن أبی صالح عن أبی هریرة أو عن أبی سعید الخدری - شکّ الأعمش - قال: اور حدیث بیان کرنے کے بعد یہ لکھا ہے:

و رواہ مسلم عن أبی کریب عن أبی معاویة عن الأعمش به

اس کا مطلب یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے یہ حدیث ابوکریب سے روایت کی ہے جو ابومعاویہ کے متابع ہیں اور ابوکریب نے بھی اسے عن الأعمش عن أبی صالح

عن أبی هريرة أو عن أبی سعيد الخدری کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس روایت میں اعمشؒ کو شک ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے یا حضرت ابو سعید خدریؓ سے؟ بوطی نے امام احمد کے حوالے سے جو روایت نقل کی ہے اس میں اس شک کا اظہار نہیں ہوتا۔ انہوں نے صاف طور پر اسے حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی قرار دیا ہے۔"

مسجدِ ضرار

(۳۷) ابن کثیرؒ کے حوالے سے مسجدِ ضرار کا واقعہ بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر بوطی نے حاشیہ میں اس کی تخریج یوں کی ہے:

"تفسیر ابن کثیر (۲/۳۸۷-۳۸۸)، ابن ہشامؒ نے بھی اسے اپنی 'سیرت' (۲/۳۲۲) میں ملتے جلتے الفاظ میں روایت کیا ہے۔"

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

"اس تخریج سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ روایت صحیح ہے۔ ابن ہشامؒ نے اسے ابن اسحاقؒ سے بلا سند روایت کیا ہے۔ ابن کثیرؒ نے بھی اسے متعدد حضرات سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ میں نے فقہ السیرۃ للغزالی (ص ۴۸۸) کی تخریج کرتے ہوئے اس روایت کی بھی تخریج کی ہے اور اس میں بیان کر دیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔"[1]

وفدِ ثقیف کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ

(۳۸) وفدِ ثقیف کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر بوطی لکھتے ہیں:

"ابن سعد کی روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے پاس ہر رات عشاء کے بعد تشریف لے جاتے تھے اور کھڑے کھڑے ان سے گفتگو فرماتے تھے۔ زیادہ

---

[1] ملاحظہ کیجئے: جزء اول کا اقتباس نمبر ۶۸۔

دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے آپ تھکن محسوس کرتے تو پہلو بدل لیتے تھے۔''
آگے لکھتے ہیں:

''ابن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے کہ اس موقع پر ان لوگوں نے نماز سے رخصت چاہی تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا: اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہ ہو۔''

علامہ البانیؒ نے اس سلسلے میں کئی باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے:

''اول: ابن سعدؒ نے اس روایت کو بلا سند بیان کیا ہے، اس لیے اس کی صحت کے بارے میں کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔

دوم: صرف ابن سعدؒ کا حوالہ دینے سے گمان ہوتا ہے کہ اسے اس سے مشہور اور قابل اعتماد لوگوں نے روایت نہیں کیا ہے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے یہ روایت سنن ابی داؤد، کتاب قیام رمضان اور سنن ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلوٰۃ میں اوس بن حذیفہ سے مروی ہے۔ امام احمدؒ نے بھی اپنی مسند (۴/۳۴۳) میں اس کی روایت کی ہے، لیکن اس میں ''دیر تک کھڑے رہنے اور پہلو بدلنے'' کا تذکرہ نہیں ہے۔

سوم: اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ عبداللہ بن عبدالرحمن بن یعلیٰ الطائفی عن عثمان بن عبداللہ بن أوس الطائفی سے مروی ہے۔ عثمان بن عبداللہ کو ابن حبانؒ کے علاوہ اور کسی نے ثقہ نہیں قرار دیا ہے۔ اگر چہ ان سے متعدد ثقہ لوگوں نے روایت کی ہے اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن کو ذہبیؒ اور عسقلانیؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

چہارم: ابن اسحاقؒ کی مذکورہ روایت جو السیرۃ (۴/۱۸۳-۱۸۵) میں ہے، وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ معضل سند سے ہے۔ ابوداؤدؒ اور احمدؒ نے اس کی تخریج مرفوعاً منقطع سند سے کی ہے۔ جیسا کہ میں نے فقہ السیرۃ للغزالی کی تخریج (ص ۵۴۰) میں بیان کر دیا ہے[1]

---

[1] ملاحظہ کیجیے: جزء اول کا اقتباس نمبر ۶۹۔

وفدِ نجران کے ساتھ معاہدۂ جزیہ

(۳۹) غزوۂ تبوک کے بعد آں حضرت ﷺ کی خدمت میں بہت سے وفود آئے۔ان میں سے ایک وفد نجران کے عیسائیوں کا تھا۔ انہی کے سلسلے میں آیتِ مباہلہ نازل ہوئی تھی۔ بالآخر ان سے یہ معاہدہ ہوا کہ اگر وہ جزیہ ادا کرتے رہیں گے تو ان کے عبادت خانے منہدم نہیں کیے جائیں گے اور انہیں ان کے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہوگی۔اس پر ڈاکٹر بوطی نے یہ حاشیہ لگایا ہے:

''جزیہ پر مصالحت ہونے کا تذکرہ ابوداؤدؒ نے کتاب الخراج، باب أخذ الجزیة میں کیا ہے۔''

اس پر علامہ البانیؒ لکھتے ہیں:

''اس روایت کی سند میں ایک راوی اسباط بن نصر الہمدانی اپنے ضعفِ حافظہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے 'التقریب' میں ان کے بارے میں لکھا ہے: ''سچے ہیں، لیکن کثرت سے غلطیاں کرتے ہیں۔'' ابوداؤد کی سند سے ہی اس روایت کو ضیاء مقدسیؒ نے الأحادیث المختارة میں نقل کیا ہے۔''

عدی بن حاتمؓ کا قبولِ اسلام

(۴۰) ڈاکٹر بوطی نے حضرت عدی بن حاتمؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔آخر میں حاشیہ میں اس کا یہ حوالہ دیا ہے:

''اسے ابن اسحاقؒ اور امام احمدؒ نے اور بغویؒ نے اپنی معجم میں ملتے جلتے الفاظ میں روایت کیا ہے۔ نیز ملاحظہ کیجئے: الاصابة لابن حجر (۲/۴۶۱)۔''

اس پر علامہ البانیؒ لکھتے ہیں:

''الاصابة میں ہے: احمدؒ نے، بغویؒ نے اپنی معجم میں اور دیگر حضرات نے اس حدیث کو ابوعبیدہ بن حذیفہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ مسند احمد (۴/۳۷۸، ۳۷۹)

میں یہ روایت اسی سند سے مذکور ہے۔ ابو عبیدہ کو ابن حبانؒ کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں قرار دیا ہے، اسی لیے حافظ ابن حجرؒ نے التقریب میں اس پر اعتماد نہیں کیا ہے اور اسے ''مقبول'' لکھا ہے۔ یعنی اس کی روایت اسی صورت میں قابلِ قبول ہوگی جب اس کی متابع روایت پائی جائے۔ یہ حدیث چوں کہ صرف ابو عبیدہ کی سند سے معروف ہے اس لیے ضعیف ہے۔

رہے ابن اسحاقؒ تو انہوں نے اسے بلا سند روایت کیا ہے، اسی لیے اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کی کتاب المناقب میں، ایک دوسری سند سے، زہری سے، مذکورہ روایت کا آخری حصہ مختصراً روایت کیا ہے۔''

خانۂ کعبہ پر نظر پڑتے وقت آں حضرت ﷺ کی دعا

(۴۱) حجۃ الوداع کے ضمن میں ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے:

''مکہ میں آں حضرت ﷺ کا داخلہ بالائی حصہ کی طرف سے ہوا۔ جب بیت اللہ نظر آنے لگا تو آپ ﷺ نے یہ دعا کی: ''اے اللہ اپنے اس گھر کی عزت وشرف، تعظیم وتکریم اور رعب و ہیبت میں اضافہ فرما۔ اسی طرح جو لوگ اس کا حج اور عمرہ کریں اور اس کی تعظیم کریں ان کی عزت وشرف، تکریم، ہیبت، تعظیم اور صالحیت میں اضافہ فرما۔'' اسے طبرانیؒ اور ابن سعدؒ نے روایت کیا ہے۔''

علامہ البانیؒ نے اس پر یہ نقد کیا ہے:

''یہ روایت بہت زیادہ ضعیف، بلکہ موضوع ہے۔ ابن سعدؒ نے تو اسے بلا سند ذکر کیا ہے۔ (۱۷۳/۲) البتہ طبرانیؒ نے اس کی تخریج المعجم الکبیر (جلد۱، قسم ۱۴۹/۲) میں حذیفہ بن اسید سے کی ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی عاصم بن سلیمان الکوزی ہے۔ ذہبیؒ نے المیزان میں اس کے بارے میں لکھا ہے: ابن عدیؒ کہتے ہیں: ''اس کا شمار حدیث گھڑنے والوں میں ہوتا ہے۔'' فلاسؒ نے کہا ہے: ''حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ اس جیسا شخص میں نے نہیں دیکھا۔'' دارقطنیؒ نے کہا ہے: ''کذاب ہے۔''

ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد (۲۲۸/۳) میں طبرانی کے حوالہ سے اسے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ''یہ متروک ہے۔''

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرضِ وفات

(۴۲) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات کے ضمن میں ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے:

''سب سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں شدید درد ہوا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بقیع سے واپس آئے تو مجھے اس حال میں پایا کہ میرے سر میں شدید درد تھا۔ میں کہہ رہی تھی: ''ہائے میرا سر'' آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں اے عائشہ! اللہ کی قسم میرے سر میں شدید درد ہے۔'' اسے ابن اسحاقؒ اور ابن سعدؒ نے روایت کیا ہے۔ امام احمدؒ نے بھی ایک طویل حدیث میں اس کے مثل روایت کیا ہے۔''

علامہ البانیؒ نے لکھا ہے کہ اس سلسلے میں دو باتیں قابلِ توجہ ہیں:

''اول: اسے صرف ابن اسحاقؒ، ابن سعدؒ اور احمدؒ ہی نے روایت نہیں کیا ہے بلکہ اس کی تخریج دارمیؒ، ابن ماجہؒ، دار قطنیؒ اور بیہقیؒ نے بھی کی ہے، جیسا کہ میں نے اپنی کتاب ''أحکام الجنائز و بدعھا'' (۵) میں بیان کیا ہے اور تخریج کی ہے۔

دوم: بوطی نے اسے ''رُوِی عن عائشة'' کے مجہول الفاظ سے نقل کیا ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ تعبیر ضعیف روایت کے لیے اختیار کی جاتی ہے، جب کہ یہ صحیح روایت ہے۔''

حضرت ابوبکرؓ کی امامت

(۴۳) ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقاہت جب اتنی بڑھ گئی کہ نماز کے لیے مسجد جانا ممکن نہ رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے

رہے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے کچھ افاقہ اور طبیعت میں ہلکا پن محسوس کیا تو باہر تشریف لائے۔ دیکھا کہ ابوبکر نماز پڑھا رہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ ﷺ نے اشارہ سے انہیں ہدایت کی کہ پیچھے نہ ہٹیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر کے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا فرمائی اور حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے رہے (ابوبکرؓ نے حضور کی اقتداء کی اور لوگوں نے ابوبکرؓ کی اقتداء کی) حاشیہ میں ڈاکٹر بوطی نے اس روایت کے یہ حوالے دیے ہیں: "صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب من أقام الی جنب الإمام لعلّة، صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب استخلاف الإمام، مؤطا إمام مالک، کتاب صلوٰۃ الجماعة، باب صلوٰۃ الإمام وھو جالس۔"

اس کے بعد آگے لکھا ہے:

تعجب ہے کہ شیخ ناصر الدین البانیؒ نے شیخ محمد الغزالیؒ کی کتاب فقہ السیرۃ کی احادیث کی تخریج کرتے ہوئے اس حدیث کو صرف امام احمدؒ اور ابن ماجہؒ کی جانب منسوب کیا ہے اور اس کی سند میں ایک راوی ابو اسحاق السبیعی کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیا ہے، حالاں کہ یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی ہے اور اس کی سند کی تحقیق شیخ البانی نے کی ہے اس کے علاوہ بھی وہ متعدد سندوں سے مروی ہے۔"

علامہ البانیؒ نے ڈاکٹر بوطی کی تنقید کا یہ جواب دیا ہے:

"مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر بوطی کے تعجب کو رفع کرنے سے پہلے فقہ السیرۃ للغزالی میں درج حدیث اور اس کی میں نے جو تخریج کی ہے اسے نقل کردوں، تاکہ میری وضاحت اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔ شیخ غزالیؒ نے یہ حدیث بیان کی تھی:

"حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: جب نبی ﷺ کو مرض لاحق ہوا تو آپ ﷺ نے ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ پھر جب آپؐ نے طبیعت میں ہلکا پن محسوس کیا تو باہر تشریف لائے۔ ابوبکرؓ نے جب آپؐ کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا کہ پیچھے نہ ہٹیں۔ پھر آپ ﷺ ابوبکرؓ کے پہلو میں

بائیں جانب بیٹھ گئے اور جہاں تک ابوبکرؓ نے قرآن پڑھا تھا وہاں سے آگے پڑھنے لگے۔ ابوبکرؓ نبی علیہ السلام کی اقتداء کرتے تھے اور لوگ ابوبکرؓ کی اقتداء کرتے تھے۔"

اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا:

"یہ صحیح حدیث ہے۔ اس کی تخریج احمد (۲۰۵۵، ۳۳۳۰، ۳۳۵۵) اور ابن ماجہ (۳۷۳/۱) نے ابو اسحاق عن الأرقم بن شرحبیل عن ابن عباس کی سند سے کی ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں، لیکن بوصیریؒ نے اسے کم زور قرار دیا ہے، اس لیے کہ ابو اسحاق (السبیعی) کا حافظہ آخر عمر میں بگڑ گیا تھا، وہ مدلس تھے اور اس حدیث کو انہوں نے 'عنعنہ' سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی ایک متابع روایت عبداللہ بن ابی السفر سے مروی ہے، لیکن اس میں انہوں نے کہا ہے عن ابن عباس عن العباس۔ اس طرح انہوں نے اسے مسندِ عباس کی روایت بنا دیا ہے۔ یہ معمولی اختلاف ہے جس سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس سند سے بھی یہ روایت مسند احمد (۱۷۸۴، ۱۷۸۵) میں موجود ہے۔"

میری اس تخریج سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں:

"اول: جس حدیث کی میں نے تخریج کی ہے وہ دوسری ہے، وہ حدیث نہیں ہے جسے ڈاکٹر بوطی نے بخاری کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اس لیے کہ اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: "جہاں تک ابوبکرؓ نے قرآن پڑھا تھا وہاں سے آپ علیہ السلام پڑھنے لگے۔" جب کہ یہ الفاظ بخاری و مسلم کی حدیث میں نہیں ہیں۔ دوسرے جس حدیث کی میں نے تخریج کی ہے وہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، جب کہ بخاری و مسلم کی حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی اس حدیث کو ضیاء مقدسیؒ نے اپنی اس کتاب میں درج کیا ہے جس کا نام انہوں نے "الأحادیث المختارۃ مما لم یخرجہ البخاری و مسلم" رکھا ہے۔

دوم: میں نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، پھر بیان کیا ہے کہ بوصیریؒ نے اسے کم زور کہا ہے۔ پھر اس کا رد یوں کیا ہے کہ اس کی متابع روایت موجود ہے، اس لیے

اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس بنا پر ڈاکٹر بوطی کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ میں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔''

آں حضرت ﷺ کی آخری تنبیہ

(۴۴) ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے:

''جب رحلت کا وقت قریب آیا تو ایک چادر آپ ﷺ کے جسمِ اطہر پر پڑی ہوئی تھی۔ جب تکلیف زیادہ ہونے لگتی تو اس کو چہرۂ مبارک سے ہٹا دیتے۔ اسی حال میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔'' بخاری و مسلم کی یہ حدیث بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر بوطی نے لکھا ہے: اس ارشاد کا مقصد مسلمانوں کو خبر دار کرنا تھا کہ وہ ایسا نہ کریں۔''

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''ڈاکٹر بوطی نے ارشادِ نبویؐ نقل کرنے کے بعد اس کا جو مقصد اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے وہ حدیث کا جزء ہے۔ یہ حدیث حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ دونوں سے مروی ہے اور دونوں نے ارشادِ نبویؐ بیان کرنے کے بعد کہا ہے: يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوا (جو کچھ یہود و نصاریٰ نے کیا تھا آں حضرت ﷺ اس سے ہوشیار کر رہے تھے)، اسی طرح بخاریؒ (فتح الباری ۱/۴۲۲، ۶/۳۸۶، ۱۰/۲۲۷) مسلمؒ (۲/۶۷)، دارمیؒ (۱/۳۲۶) اور احمدؒ (۱/۲۱۸) نے اس کی تخریج کی ہے۔ احمدؒ نے صراحت کی ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۱/۴۲۳) میں لکھا ہے:

''يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوا'' دوسرا الگ جملہ ہے جو راوی (یعنی حضرت عائشہؓ) کا کلام ہے، گویا ان سے دریافت کیا گیا کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے یہ فرمانے کی حکمت کیا تھی؟ تو انہوں نے یہ وضاحت فرمائی۔''

حیاتِ نبویؐ کے آخری لمحات

(۴۵) حیاتِ نبویؐ کے آخری لمحات ڈاکٹر بوطی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیے ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

''آپ کے سامنے پانی کا کٹورا تھا۔ آپ دونوں ہاتھ پانی میں ڈالتے، پھر چہرے پر پھیر لیتے اور فرماتے: ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بے شک موت کے سکرات ہوتے ہیں۔'' کتاب کے پہلے ایڈیشن میں ڈاکٹر بوطی نے یہ روایت بیان کر کے لکھا تھا: ''اسے بخاریؒ نے باب مرض الرسول ﷺ میں روایت کیا ہے۔ اس کی بھی تخریج میں شیخ ناصر الدین البانیؒ کو وہم ہو گیا ہے، چنانچہ انہوں نے لکھا ہے: یہ حدیث ضعیف ہے، اس کی تخریج ترمذیؒ وغیرہ نے موسیٰ بن سرجس بن محمد عن عائشہ کی سند سے کی ہے۔ بخاریؒ میں یہ دوسری سند سے مروی ہے۔''

اس پر علامہ البانیؒ نے لکھا ہے:

''ڈاکٹر بوطی کی مجھ پر تنقید صحیح نہیں تھی۔ اس لیے کہ میں نے شیخ محمد الغزالی کی کتاب میں جس نص کی تخریج کی تھی اس میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ''اے اللہ! موت کے سکرات برداشت کرنے میں میری مدد فرما۔'' اس کے سلسلے میں میں نے ترمذیؒ کا حوالہ دیتے ہوئے اسے ضعیف بتایا تھا اور لکھا تھا کہ اسے خود ترمذیؒ نے ''حدیث غریب'' کہہ کر ضعیف قرار دیا ہے۔ استاذ عید عباسی نے اپنی کتاب ''بدعة التعصب المذهبی'' میں ڈاکٹر بوطی کی غلطی واضح کی تو کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں ڈاکٹر بوطی نے اپنی عبارت میں ترمیم کر دی اور اس میں کچھ حذف و اضافہ کر کے یوں کر دیا:

''اسے بخاریؒ نے باب مرض الرسول ﷺ و وفاته اور کتاب الرقاق، باب سکرة الموت میں روایت کیا ہے۔ ترمذیؒ، نسائیؒ اور احمدؒ نے اسے دوسری سند سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''اے اللہ موت کے

سکرات برداشت کرنے میں میری مدد فرما،'' شیخ ناصر الدین البانیؒ نے اس کی تخریج کرتے ہوئے لکھا ہے: یہ ضعیف ہے، اسے ترمذیؒ اور دیگر محدثین نے موسیٰ بن سرجس بن محمد عن عائشہ کی سند سے روایت کیا ہے...... '' یہ صحیح ہے کہ ان الفاظ میں یہ روایت ضعیف ہے، لیکن اصل حدیث امام بخاریؒ نے صحیح سند سے روایت کی ہے۔ اگر کسی حدیث کی دو سندیں ہوں تو اس کی تخریج کرتے وقت صرف ضعیف کو ذکر کرنا اور صحیح کے بارے میں سکوت اختیار کرنا مناسب نہیں ہے۔ اگر واقعہ ایک ہو تو الفاظ کے معمولی اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

اس پر علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

''عبارت بالا میں ڈاکٹر بوطی نے اعتراف کیا ہے کہ ترمذیؒ کی روایت ضعیف ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ ''اگر واقعہ ایک ہو تو الفاظ کے معمولی اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا'' مغالطہ دینے کی کوشش ہے۔ اس لیے کہ یہاں محض الفاظ کا معمولی اختلاف نہیں ہے، بلکہ بخاریؒ اور ترمذیؒ کی روایتیں الگ الگ سندوں سے ہیں۔ ترمذیؒ کی سند ضعیف ہے، جب کہ بخاریؒ کی سند صحیح ہے۔''

قبرِ نبویؐ کی زیارت کی مشروعیت

(۴۶) ڈاکٹر بوطی نے کتاب کے خاتمے میں ایک بحث 'قبرِ نبوی کی زیارت' کے سلسلے میں کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ''مسجدِ نبوی اور قبرِ نبوی کی زیارت تقربِ الٰہی کے عظیم کاموں میں سے ہے۔ اس پر صدرِ اول سے آج تک ہر زمانے میں جمہور مسلمانوں کا اجماع رہا ہے، کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی، سوائے ابن تیمیہ کے (اللہ ان کی مغفرت کرے) جمہور مسلمانوں کے مسلک کی متعدد دلیلیں ہیں۔''

ڈاکٹر بوطی نے چار دلیلیں ذکر کی ہیں۔ ان میں دوسری اور تیسری دلیل یہ ہے:

دوسری دلیل: تمام صحابہ، تابعین اور تبع تابعین وغیرہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب بھی روضۂ شریفہ سے گزرا جائے، آپؐ کی قبر کی زیارت کی جائے اور آپؐ پر

سلام پڑھا جائے۔ یہ چیز ائمہ اور جمہور علماء نے نقل کی ہے، جن میں ابن تیمیہؒ بھی ہیں۔

تیسری دلیل: بہت سے صحابہ سے قبر نبوی کی زیارت ثابت ہے۔ مثلاً ابن عساکرؒ نے صحیح سند سے حضرت بلالؓ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے قبر نبویؐ کی زیارت کی تھی۔

دلیل ذکر کرنے کے بعد ڈاکٹر بوطی نے حاشیہ میں لکھا ہے:

''آں حضرت ﷺ سے دیگر بہت سی احادیث مروی ہیں جن میں آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ لیکن ان میں سے بیشتر ضعف سے خالی نہیں، اگر چہ وہ سب مل کر درجۂ قوت تک پہنچ جاتی ہیں، لیکن مذکورہ دلائل کے ساتھ ہم نے انہیں ذکر کرنا اس لیے مناسب نہیں سمجھا، تا کہ مخالفین ان کے ضعف کو واضح کر کے ابن تیمیہؒ کی منفرد رائے کی حمایت کی گنجائش نہ نکال سکیں۔''

علامہ البانیؒ نے اس موضوع پر تفصیل سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اس سلسلے میں چند باتیں عرض کرنی ہیں:

اول: ڈاکٹر بوطی نے اس بات پر کہ جب بھی روضۂ شریف سے گزرا جائے، آپؐ کی قبر کی زیارت کی جائے، ائمہ اسلام کا جو اجماع نقل کیا ہے وہ بالکل غلط اور ان پر سراسر تہمت ہے۔ امام مالکؒ نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ دیگر علماء سے بھی ایسے ہی اقوال مروی ہیں۔ یہاں علامہ ابن تیمیہؒ اور امام نوویؒ کے فرمودات نقل کیے جاتے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الجواب الباهر فی زوّار المقابر (ص ۶۰) میں لکھا ہے:

''صحابۂ کرام مسجدِ نبویؐ میں رات دن جاتے تھے۔ سفر سے واپس آ کر خلفاء راشدین سے ملنے جاتے تھے۔ وہ مسجدِ نبویؐ میں نماز پڑھتے، آپ ﷺ پر نماز میں اور مسجد میں جاتے وقت اور وہاں سے نکلتے وقت سلام بھیجتے تھے، لیکن آپ کی قبر کے پاس نہیں جاتے تھے۔ اس لیے کہ انہیں آں حضرت ﷺ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ جب کسی سفر سے واپس آتے تو

قبرِ نبویؐ کے پاس جا کر آپ ﷺ کو اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو سلام کرتے تھے۔ ممکن ہے بعض اور صحابہ بھی ایسا کرتے ہوں، اسی لیے بعض علماء نے ایسا کرنے کو جائز قرار دیا ہے، لیکن جمہورِ صحابہ، جن میں خلفاءِ راشدین اور ازواجِ مطہرات بھی ہیں، ایسا نہیں کرتے تھے۔"

امام نوویؒ اپنی کتاب "مناسک الحج" میں لکھتے ہیں:

"امام مالکؒ نے اہلِ مدینہ کے لیے مکروہ قرار دیا ہے کہ وہ جب بھی کہیں سے آئیں یا کہیں جائیں تو قبرِ نبوی پر کھڑے ہوں۔ انہوں نے کہا ہے: "یہ صرف پردیسیوں کے لیے ہے۔" انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے: "جو شخص کسی سفر سے واپس آئے یا کہیں سفر پر جا رہا ہو اس کے لیے حرج نہیں کہ قبرِ نبوی پر کھڑے ہو کر آں حضرت ﷺ پر سلام بھیجے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے لیے دعا کرے۔" باجیؒ فرماتے ہیں: "امام مالکؒ نے اہل مدینہ اور پردیسیوں کے درمیان اس معاملہ میں فرق کیا ہے، اس لیے کہ پردیسی وہاں کا قصد کر کے آتے ہیں اور اہل مدینہ تو وہیں مقیم رہتے ہیں۔" آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "اے اللہ، میری قبر کو ایسا بت نہ بنا جس کی پوجا کی جائے۔"

امام نوویؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے یہ اقوال اس بات میں صریح ہیں کہ بوطی نے جس اجماع کا دعویٰ کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، بلکہ ان اقتباسات سے ان کی عدم مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

دوام: بوطی نے ابن عساکرؒ کے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ روایت اور درایت دونوں اعتبار سے بے بنیاد اور باطل ہے۔ یہ واقعہ تاریخ دمشق (جلد ۲ قسم ۱، ص ۲۵۴) میں مذکور ہے:

"حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ حضرت بلالؓ نے نبی ﷺ کو خواب میں یہ فرماتے ہوئے سنا: "اے بلال! یہ کیسی زیادتی ہے؟ تم میری زیارت کے لیے نہیں آئے؟ وہ غمگین اور دہشت زدہ ہو کر بیدار ہوئے، سواری لی اور مدینہ کا قصد

کیا۔ قبرِ نبویؐ پر پہنچے تو روتے جاتے تھے اور اپنا چہرہ اس پر رگڑتے جاتے تھے۔ حضرت حسنؓ و حسینؓ آئے تو انہیں چمٹا لیا اور ان کا بوسہ لینے لگے۔ ان دونوں نے کہا: ''اے بلال! ہم آپ کی اذان سننا چاہتے ہیں، جیسی آپ سحر میں رسول اللہ ﷺ کے لیے دیا کرتے تھے۔ وہ آمادہ ہو گئے۔ مسجد کی چھت پر چڑھ گئے اور اس جگہ کھڑے ہو گئے جہاں وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اذان کے لیے کھڑے ہوا کرتے تھے، جیسے ہی انہوں نے اللہ اکبر کہا مدینہ میں شور برپا ہو گیا۔ پھر جب أشهد أن لا اله الا الله کہا تو لوگوں میں مزید ہلچل پیدا ہو گئی۔ یہاں تک کہ جب أشهد أنّ محمداً رسول الله کہا تو پردہ نشین عورتیں بھی نکل پڑیں اور لوگ کہنے لگے: کیا رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اس دن سے زیادہ مردوں اور عورتوں کو روتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔''

اس روایت کا بطلان اور اس کا موضوع ہونا درج ذیل امور سے ظاہر ہے:

۱۔ اس میں ہے کہ ''بلال قبرِ نبویؐ پر پہنچے تو رونے لگے'' اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ آپ ﷺ کی قبرِ مبارک عام قبروں کے مثل تھی جس تک ہر کوئی پہنچ سکتا تھا، حالاں کہ جس کو بھی سیرت کا علم ہے وہ اسے بداہۃً غلط قرار دے گا۔ آں حضرت ﷺ کی تدفین حضرت عائشہؓ کے حجرے میں ہوئی تھی۔ اسی میں وہ رہتی تھیں اور کوئی شخص ان کی اجازت کے بغیر اس میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کی نبی ﷺ کے پہلو میں تدفین کے بعد بھی وہ اس میں رہتی رہیں۔ ان کی وفات کے بعد بلکہ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں حجرۂ عائشہ کو مسجدِ نبویؐ میں شامل کیا گیا۔

۲۔ اس راویت میں یہ بھی ہے کہ ''حضرت بلال اپنا چہرہ قبرِ نبویؐ پر رگڑنے لگے'' یہ بھی اس کے موضوع ہونے کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ اس سے حضرت بلالؓ کی تصویر ایک ایسے شخص کی ابھرتی ہے جسے حدودِ شرع کا کوئی پاس و لحاظ نہیں اور جو قبر پر شرکیہ اعمال انجام دیتا ہے۔

۳۔ اس میں ہے کہ اشهد انّ محمداً رسول الله سن کر پردہ نشین عورتیں

باہر نکل آئیں اور کہنے لگیں: ''کیا رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے ہیں؟'' یہ محض شاعرانہ اور خیالی باتیں ہیں اور ان کا من گھڑت ہونا ظاہر ہے۔

اس روایت کی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ اسے ابن عساکرؒ نے ابراهیم بن محمد بن سلیمان عن أبیه سلیمان بن بلال کی سند سے روایت کیا ہے۔ یہ دونوں راوی مجہول ہیں۔ سلیمان بن بلال کا تذکرہ بخاریؒ، ابن ابی حاتمؒ، ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ میں سے کسی نے نہیں کیا ہے اور ابراہیم بن محمد کا تذکرہ کرتے ہوئے ذہبیؒ نے کتاب الضعفاء میں لکھا ہے: ''غیر معروف ہیں'' اور المیزان میں لکھا ہے: ''وہ مجہول ہیں۔'' حافظ ابن حجرؒ نے 'لسان' میں ان کا تذکرہ کیا ہے، پھر ابن عساکرؒ کے حوالے سے ان کے مذکورہ سفرِ مدینہ کا واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: ''اس کا من گھڑت ہونا ظاہر ہے۔'' مزیؒ نے تہذیب الکمال میں اور ابن کثیرؒ نے البدایۃ (۱۰۲/۲) میں حضرت بلالؓ کے تذکرہ میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے اور اس کے ضعف کی جانب اشارہ کیا ہے۔

سوم: ڈاکٹر بوطی نے بیان کیا ہے کہ بہت سی احادیث میں قبرِ نبویؐ کی زیارت کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اگرچہ وہ اعتراف کرتے ہیں کہ ان میں سے بیشتر ضعف سے خالی نہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ سب مل کر درجۂ قوت تک پہنچ جاتی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس سلسلے میں مروی تمام احادیث ضعیف یا موضوع ہیں اور ان سے استدلال کسی طور پر صحیح نہیں ہے۔ ایسی چند احادیث درج ذیل ہیں:

حدیث نمبر ۱: حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے:

''جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔''

یہ حدیث الفاظ کے فرق سے متعدد طرق سے حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔

حدیث نمبر ۲: حضرت عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے:

''جس نے میری (یا فرمایا: میری قبر کی) زیارت کی میں اس کے لیے شفاعت کرنے والا اور گواہی دینے والا ہوں گا۔''

حدیث نمبر۴: حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے:

''جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے حج کیا، لیکن میری قبر کی زیارت نہیں کی، اس نے مجھ پر ظلم کیا۔''

حدیث نمبر۵: حضرت ابن مسعودؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

''جس نے اسلام کا فریضۂ حج ادا کیا اور میری قبر کی زیارت کی اور کسی غزوہ میں شریک ہوا اور بیت المقدس میں مجھ پر درود بھیجا، اللہ تعالیٰ فرائض کے بارے میں اس سے کوئی سوال نہیں کرے گا۔''

حدیث نمبر۶: حضرت ابو ہریرہؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

''جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔''

حدیث نمبر۷: حضرت انسؓ سے مرفوعاً مروی ہے:

''جس نے اجر وثواب کی امید رکھتے ہوئے میری زیارت کی، میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور سفارشی ہوں گا۔''

حدیث نمبر۸: حضرت بکیر بن عبداللہؓ سے مرفوعاً روایت ہے:

''جو مدینہ میری زیارت کے ارادہ سے آیا اس کے لیے روزِ قیامت میری شفاعت واجب ہے۔''

یہ تمام احادیث سنداً انتہائی ضعیف، موضوع اور منکر ہیں۔ حافظ محمد بن عبدالہادی نے اپنی کتاب ''الصارم المنکی فی الرد علی السبکی (ص۱۰-۱۷۱) میں اور حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب ''التلخیص'' (۲/۲۶۶-۲۶۷) میں تفصیل سے بحث کی ہے اور ان کا بطلان واضح کیا ہے۔ میں نے بھی اپنی کتاب ''سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ و الموضوعۃ'' (حدیث نمبر۲۵، ۴۷، ۲۰۴) میں ان میں سے بعض پر مفصل گفتگو کی ہے۔

ڈاکٹر بوطی کو ان احادیث کے ضعیف ہونے کا اعتراف ہے، لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے

ہیں کہ ''وہ سب مل کر درجۂ قوت تک پہنچ جاتی ہیں۔'' ان کی یہ بات بھی غلط ہے۔ ہر ضعیف حدیث جو بہت سے طرق سے مروی ہو، قوی نہیں ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں کیا اصول ہے؟ اس کی وضاحت شیخ ابن الصلاحؒ نے اپنے مقدمہ (ص ۳۶-۳۷) میں یوں کی ہے:

> ''حدیث میں ہر طرح کا ضعف اس کے متعدد طرق سے مروی ہونے سے زائل نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ اگر حدیث میں ضعف راوی کے ضعفِ حافظہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہو اور وہ اہلِ صدق و دیانت میں سے ہو، یا حدیث کا ضعف ارسال کی وجہ سے ہو تو دوسرے طرق سے مروی ہونے پر اس کا ضعف دور ہو جاتا ہے، لیکن اگر حدیث کا ضعف راوی کے متہم بالکذب ہونے کی وجہ سے ہو یا روایت شاذ ہو تو ایسا ضعف حدیث کے متعدد طرق سے مروی ہونے کی صورت میں بھی زائل نہیں ہوتا۔''

اس عبارت پر حاشیہ لگاتے ہوئے شیخ محمد شاکرؒ نے ایک جگہ لکھا ہے:

> ''اس سے بہت سے ان علماء متاخرین کی غلطی واضح ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ کوئی بھی ضعیف حدیث اگر متعدد ضعیف سندوں سے مروی ہو تو وہ حسن یا صحیح کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اگر حدیث کا ضعف راوی کے فسق یا اتہام بالکذب کی وجہ سے ہو تو متعدد طرق سے مروی ہونے سے اس کے ضعف میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ جس حدیث کی روایت صرف متہم بالکذب اور مجروح راوی کریں وہ قابلِ اعتماد نہیں ہو سکتی۔''

زیارتِ قبرِ نبویؐ کے سلسلے میں جتنی احادیث مروی ہیں، ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس کا راوی ضعیف الحفظ، لیکن اہلِ صدق میں سے ہو، بلکہ سب کے سب متہمین بالکذب، معروفین بالضعف الشدید، مجہولین یا مبہمین میں سے ہیں اور ان احادیث کے متون میں اضطراب و نکارت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ان میں سے ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جسے کسی امام حافظ نے مرسلاً روایت کیا ہو۔

☆☆☆

ہماری دیگر کتب

سیرت النبیؐ اور مستشرقین	حافظ عبدالغفار
سیرت نبویؐ پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی
خطبات و مقالات سیرت	پروفیسر عبدالجبار شاکر
ربیع الاول کے واقعات	پروفیسر عبدالجبار شاکر
مرقع سیرت	پروفیسر عبدالجبار شاکر
عہدِ نبوی کا تمدن (صدارتی ایوارڈ یافتہ)	پروفیسر ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی
محمد ﷺ پیغمبر اسلام کی سوانح حیات (ایوارڈ یافتہ)	کیرن آرم سٹرانگ
سیرت خاتم النبیین ﷺ (رابطہ عالمی اسلامی ایوارڈ یافتہ)	ڈاکٹر ماجد علی خان
حیاتی حضور دی (پنجابی ایوارڈ یافتہ)	اصغر علی جاوید
اسلام پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر	ڈاکٹر سید عبدالقادر جیلانی
عہدِ نبویؐ میں اختلافات ۔ جہات ۔ نوعیتیں اور حل	پروفیسر ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی
علوم اسلام اور مستشرقین	ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی
محمد ﷺ پیغمبر عہدِ رواں	کیرن آرم سٹرانگ
حیاتِ سرورِ کائنات	مُلا واحدی دہلوی
اطراف سیرت	ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر
پیغمبر اسلام اور غزوات و سرایا	حکیم محمود احمد ظفر

کتاب سرائے

پبلشرز ڈسٹری بیوٹرز مشیران کتب خانہ جات

الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔ پاکستان

فون: 0092-42-37239884-37320318

ای میل: kitabsaray@hotmail.com

اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔

فون: 32212991-32629724